

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ

کتاب ”عقائد اہل سنت اور
علامہ زاہد الراشدی صاحب کی نوازشات“ پر ایک نظر

شواہدات بجواب نوازشات

شیخ الحدیث والنفیس مفکر اسلام عظیم مذہبی سکالر جانشین امام اہل سنت

حضرت مولانا علامہ زاہد الراشدی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

پر یہود و نصاریٰ کی ہمنوائی، قادیانیت نوازی، غامدیت نوازی،
رافضیت نوازی، مودودیت نوازی، مماثلت نوازی، بریلویت نوازی
اور دیگر کئی الزامات بلکہ بہتانات کا مدلل جواب

مرتب

حافظ محمد اسامہ مدنی

رفیق تحریر ماہنامہ نصرۃ العلوم

شواہدات

بجواب

نوازشات

کتاب ”عقائد اہل سنت اور علامہ زاہد الراشدی صاحب کی نوازشات“ پر ایک نظر

شیخ الحدیث و التفسیر مفکر اسلام عظیم مذہبی سکالر جانشین امام اہل سنت
حضرت مولانا علامہ زاہد الراشدی صاحب دامت برکاتہم العالیہ
پر یہود و نصاریٰ کی ہمنوائی، قادیانیت نوازی، غمدیت نوازی،
رافضیت نوازی، مودودیت نوازی، مماتیت نوازی، بریلویت نوازی
اور دیگر کئی الزامات بلکہ بہتانات کا مدلل جواب

مرتب

حافظ محمد اسامہ مدنی

رفیق تحریر ماہنامہ نصرۃ العلوم

نامہ : ادارہ نشر و اشاعت جامعہ نصرۃ العلوم، فاروق گنج گوجرانوالہ

جملہ حقوق بحق مرتب محفوظ ہیں

نام کتاب شواہدات بجواب نوازشات
 مرتب حافظ محمد اسامہ مدنی
 مطبع زاہد بشیر پرنٹنگ پریس لاہور
 تعداد ایک ہزار (۱۰۰۰)
 ناشر ادارہ نشر و اشاعت جامعہ نصرت العلوم، فاروق گنج گوجرانوالہ
 قیمت روپے
 طبع اول مئی ۲۰۱۲ء

ملنے کے پتے

ادارہ نشر و اشاعت جامعہ نصرت العلوم، فاروق گنج گوجرانوالہ
 مکتبہ امام اہل سنت، مرکزی جامع مسجد شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ
 کتاب محل، دربار مارکیٹ، نزد حزب الاحناف لاہور
 مکتبہ الخیر، حق سٹریٹ اردو بازار لاہور
 دارالکتاب یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
 مکتبہ الحسن، حق سٹریٹ اردو بازار لاہور
 مکتبہ زکریا الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور
 مکتبہ احمد نزد مدرسہ نعمانیہ ڈیرہ اسماعیل خان

عنوانات

- ۶ پیش لفظ از مولانا محمد فیاض خان سواتی
- ۱۴ شواہدات بجواب نواز شات
- ۱۴ تمہید
- ۱۶ تنقید اور توہین میں فرق کی بحث
- ۱۹ تنقید و توہین میں فرق اور اکابر علماء دیوبند
- ۲۲ ایک غلط فہمی کا ازالہ
- ۲۶ امیر عبدالقادر الجزائریؒ کا مسئلہ
- ۲۷ ماہنامہ القاسم کا تبصرہ
- ۲۹ چند اصولی گزارشات
- ۳۲ علامہ راشدی کا دعوت مباحثہ
- ۳۴ علامہ راشدی پر ”قادیانیت نوازی“ کا بہتان عظیم
- ۳۵ علامہ راشدی کا ایک چشم کشا خط
- ۳۹ کیا عطاء اللہ قاضی، قادیانی ہیں؟
- ۴۳ علامہ راشدی پر غامدیت نوازی کا الزام
- ۴۳ رد غامدیت پر علامہ راشدی کی تحریری خدمات
- ۴۸ غامدی صاحب گمراہ ہیں
- ۵۱ چاریاری صاحب کی بدیانتی: رجوع شدہ تحریر کی اشاعت
- ۵۳ جناب مولانا عمار ناصر اور علامہ راشدی
- ۵۶ ماہنامہ الشریعہ پر غامدیت نوازی کا الزام

- ۵۷ رد غامدیت اور ماہنامہ الشریعہ
- ۵۸ علامہ راشدی پر رافضیت نوازی کا الزام
- ۵۹ رد رافضیت اور ماہنامہ الشریعہ
- ۶۱ خلفائے راشدینؓ کے فیصلے حجت شرعیہ ہیں
- ۶۲ ایک استفسار کا جواب
- ۶۶ دیگر اہل رافضیت: خود میاں فضیحت
- ۶۸ تقریظات کا مسئلہ
- ۷۰ اکابر علماء دیوبند کی دوسرے مسالک کے علماء کی کتب پر تنقارِ یظ
- ۷۴ دیگر مسالک کے علماء کی کتب پر تبصرہ
- ۷۵ علامہ راشدی پر مودودیت نوازی کا الزام
- ۷۹ دارالعلوم حقانیہ اور ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب پر اعتراض
- ۸۰ علامہ راشدی پر بریلویت نوازی کا الزام
- ۸۱ ڈاکٹر عبدالماجد حمید مشرقی کا خط
- ۸۵ علامہ راشدی پر مماثلت نوازی کا الزام
- ۸۷ امام اہل سنتؒ اور جانشین امام اہل سنت کے طرز عمل میں مماثلت
- ۸۸ چار یاری صاحب کی کذب بیانی
- ۹۰ امام اہل سنتؒ کا حقیقی جانشین کون؟
- ۹۱ جانشین امام اہل سنت کا مقام، امام اہل سنتؒ کی نظر میں
- ۹۵ امام اہل سنتؒ اور اختلاف رائے
- ۹۷ مزاج اور ترجیحات میں اختلاف
- ۱۰۰ آزاد فورم کیا ہے؟
- ۱۰۱ ”الشریعہ“ کی غرض و غایت

- ۱۰۴ بحث و مباحثہ کی ضرورت و اہمیت
- ۱۱۱ عدم مباحثہ کے نقصانات
- ۱۱۵ رائے، اجتہاد اور فتویٰ میں دائرہ کار کی تقسیم
- ۱۱۶ آزادانہ مباحثہ اور فقہ حنفی
- ۱۱۸ آزاد فورم اور اکابر علمائے دیوبند
- ۱۲۲ ”الشریعہ“ اور اس کی پالیسی اکابر کی نظر میں
- ۱۲۷ متفرقات
- ۱۲۷ ”نوازشات“ کا حرف آغاز
- ۱۲۹ برداشت اور عدم برداشت کا مسئلہ
- ۱۳۰ تحفظ مسلک اور علامہ راشدی
- ۱۳۲ علامہ راشدی کے مسلکی مضامین
- ۱۳۳ مسلکی کتب پر تقارین
- ۱۳۵ مسئلہ طلاق ثلاثہ اور علامہ راشدی
- ۱۳۶ شہدائے لال مسجد کی حمایت و مخالفت کا مسئلہ
- ۱۳۸ ضمیمہ (۱) مولانا زاہد الراشدی معاشرت کی زد میں
- ۱۴۳ ضمیمہ (۲) علامہ راشدی، زعمائے امت کی نظر میں
- ۱۴۳ شیخ الاسلام کی نظر میں
- ۱۴۳ مبلغ اسلام کی نظر میں
- ۱۴۵ مفتی اعظم پاکستان کی نظر میں
- ۱۴۶ داعی قرآن کی نظر میں
- ۱۴۷ مفکر اسلام کی نظر میں
- ۱۴۸ عظیم مذہبی سکالر کی نظر میں

پیش لفظ

-- (ز) --

جانشین مفسر قرآن استاد العلماء

حضرت مولانا محمد فیاض خان سواتی

مہتمم جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

حامدًا و مصلیًا اما بعد!

ماہنامہ نصرۃ العلوم کے رفیق تحریر عزیز القدر حافظ محمد اسامہ مدنی سلمہ اللہ تعالیٰ نے ماہنامہ نصرۃ العلوم (اکتوبر ۲۰۱۳ء تا مئی ۲۰۱۴ء) میں ”شواہدات بجواب نوازشات“ کے عنوان سے آٹھ اقساط پر مشتمل ایک شاندار اور سنجیدہ مضمون تحریر کیا تھا جو جانشین امام اہل السنۃ شیخ الحدیث و التفسیر مفکر اسلام حضرت مولانا علامہ ابوعمار زاہد الراشدی صاحب مدظلہ العالی کے خلاف فیصل آباد کے ایک عالم دین مولانا عبدالرحیم چاریاری صاحب کی طرف سے کتابی شکل میں اٹھائے گئے چند بے تکیہ اعتراضات بلکہ دجل و افتراء پر مشتمل اتہامات کا مدلل اور پراثر جواب تھا۔

علامہ راشدی پر یہود و نصاریٰ کی ہمنوائی، قادیانیت نوازی، رافضیت نوازی، غامدیت نوازی، مودودیت نوازی، بریلویت نوازی، مماثیت نوازی اور اس قسم کے دیگر بیہودہ اور لچر قسم کے عنوانات چاریاری صاحب نے اپنی کتاب کے ٹائٹل پر تحریر کئے ہیں اور کتاب میں جو زبان انہوں نے اپنے قلم سے صفحہ برقرطاس پر منتقل کی ہے، اس پر ان کے ہم نوالہ اور ہم پیالہ بھی سخت نالاں ہیں، جن سے ان کی ذہنی ساخت و پرداخت کا سمجھنا قارئین کرام کیلئے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

حافظ محمد اسامہ مدنی کے اس جوابی مضمون کو ملک کے اطراف میں قارئین کرام اور اہل علم کے ہاں بے حد پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا اور پھر احباب کے تقاضے پر مناسب معلوم ہوا کہ اس مضمون کو بجائے اس کے کہ ماہنامہ نصرۃ العلوم کی فائلوں میں دب کر قصہ پارینہ ہو جائے، کیوں نہ کتابی شکل میں شائع کر کے محفوظ کر دیا جائے تاکہ آئندہ بھی زہر مار کیلئے تریاق کا کام دیتا رہے، چنانچہ ادارہ نشر و اشاعت جامعہ نصرۃ العلوم اسی مقصد کے تحت اسے شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے، لیکن اس افسوس کے ساتھ کہ ہم معترضین کی زبان استعمال نہیں کر سکتے کیونکہ یہ علماء دین کے شایان شان ہی نہیں ہے، اس لئے اس کتاب میں قارئین کرام صرف سنجیدہ، مدلل، پر مغز اور اپنے موضوع پر اصل حقائق ہی ملاحظہ فرما سکیں گے۔

حافظ محمد اسامہ مدنی کا تقاضا تھا کہ میں اس کتاب پر ”پیش لفظ“ کے طور پر کچھ الفاظ تحریر کر دوں تو ان کی حوصلہ افزائی اور تعاونوا علی البر والتقویٰ کے فریضہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے کچھ باتیں سپرد قلم کر دی ہیں۔

مولانا راشدی کی شخصیت سے کون متعارف نہیں، مسلمانان عالم خواہ عرب و عجم کے ہوں یا یورپ و افریقہ اور دیگر براعظموں کے، سب ہی کے ہاں وہ اہل السنۃ والجماعۃ، احناف اور مسلک دیوبند کے ایک مدبر، صاحب فہم و فراست، حالات حاضرہ کی نبض پر مضبوط گرفت رکھنے والے کہنہ مشق اور ہر دلعزیز عالم باعمل انسان ہیں، ان میں بہت سی خصوصیات ایسی بھی ہیں جو ملک کے خال خال اہل علم میں بھی شاید مفقود ہوں، الا ماشاء اللہ۔ اور یہی وہ بنیادی وجہ ہے جس کی وجہ سے وہ مسلسل ”محسود“ چلے آ رہے ہیں، لیکن ہمیں خدا کی ذات پر مکمل بھروسہ ہے کہ ان میں موجود خداداد صفات میں کیڑے نکالنے والے پہلے کی طرح ہمیشہ ناکام ہی ہوں گے، انشاء اللہ العزیز، کیونکہ وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

۔ ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

میری ناقص رائے کے مطابق مولانا راشدی پر اعتراضات کرنے والا آدمی کم از کم مندرجہ ذیل صفات کا حامل ضرور ہونا چاہیے، وگرنہ اسے اپنا اور دوسروں کا وقت ضائع کرنے کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوگا۔

(۱) جس نے ان کی اول تا آخر تحریرات کا بنظر غائر مطالعہ کر رکھا ہو۔

(۲) اکابر اہل السنۃ والجماعۃ احناف اور علماء دیوبند کی تحریرات اور طرز عمل سے بھی آگاہ ہو۔

(۳) سنی سنائی باتوں پر یقین رکھنے والا اور کانوں کا کچا نہ ہو۔

(۴) تفصیلی عبارات کو چھوڑ کر مجمل اور مبہم عبارات سے استدلال کرنے والا نہ ہو، یعنی

تاویل القول بمالا یرضی بہ القائل کا داعی نہ ہو۔

(۵) اور سب سے بڑھ کر یہ کہ فہم سلیم اور تدبر و حوصلہ سے بھی مالا مال ہو۔

ان اوصاف سے متصف آدمی اگر انفرادی طور پر ہمارے ساتھ زبانی یا تحریری بات کرنا چاہے تو ہم انشاء اللہ العزیز اس کی تسلی و تشفی کر دیں گے۔

مولانا راشدی جامعہ نصرۃ العلوم کے صدر مدرس ہیں اور احقر مہتمم کے منصب پر فائز ہے، اس سلسلہ میں اب تک جتنے بھی علماء کرام اور احباب سے بات ہوئی ہے، انہوں نے مولانا راشدی کی عالم اسلام کے لئے بے بہا خدمات کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے اور ان کی مخالفت کرنے والوں کے معاندانہ و مخاصمانہ رویہ پر شدید افسوس کا اظہار بھی کیا ہے اور جن چند لوگوں نے ان پر اعتراضات کو صحیح سمجھا ہے میرے مشاہدے کی حد تک یہ بات سامنے آئی ہے کہ وہ لوگ مندرجہ بالا صفات کے حامل نہیں ہیں کیونکہ ان میں سے بعض حضرات سے استفہام پر اصل حقائق سے بے خبر ہونے کی وجہ سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ وہ صرف للہ فی اللہ مخالفت برائے مخالفت کے مزے لوٹ رہے ہیں۔

ایک بڑا المیہ بلکہ سانحہ یہ بھی ہے کہ مولانا راشدی کے خلاف پراپیگنڈا سے متاثر حضرات میں سے ہر کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ وہ مولانا کو اپنی عدالت کے کٹہرے میں تنہا کھڑا کر کے ان سے براہ راست سوال و جواب کر کے اطمینان حاصل کرے لیکن

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

ان حضرات کے پاس شاید اتنا فالتو وقت ہو لیکن جس شخص نے روزانہ تفسیر قرآن، بخاری شریف، مسلم شریف، طحاوی شریف، حجتہ اللہ البالغہ، دیوان الحماسہ، متن الکافی وغیرہ جیسے اسباق پڑھانے ہوں، صبح کا عوامی درس قرآن وحدیث دینا ہو، جمعہ کی خطابت کرنی ہو،

متعدد رسائل و جرائد کے مضامین اور کئی اخبارات کے کالم لکھنے ہوں اور ملک بھر میں خصوصی و عمومی اجتماعات کے لئے مسلسل اسفار کرنے ہوں اور ذاتی ضروریات بھی ہوں، وہ اتنا فارغ البال نہیں ہوتا کہ ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ مطمئن کر سکے لہذا ان سے اس قسم کی باز پرس کی توقع رکھنا کم از کم نادانی سے کم نہیں ہے۔

مولانا راشدی کی شخصیت وہ ہے جس پر عالم اسلام کے اکابر اہل علم نے اعتماد کا اظہار کیا ہے، یہ بات شاید بہت سے حضرات کو معلوم نہ ہوگی کہ

☆ اہل السنۃ والجماعۃ فقہ حنفی کے نامور امام، محدث اور فقیہ عالم دین علامہ زاہد الکوثری المصریؒ کے مشہور زمانہ اور ممتاز شاگرد اور جانشین الحافظ الکبیر المحدث الفقیہ الشیخ ابو زاہد عبدالفتاح ابو غدہ الحسبی الشامیؒ نے اپنی سند کے ساتھ انہیں حدیث کی اجازت دی ہے۔

☆ اہل السنۃ والجماعۃ فقہ شافعی کے مرجع الخلاق محدث عالم الشیخ المسند ابو الفیض محمد یاسین القادانی المکیؒ نے اپنی سند کے ساتھ انہیں حدیث کی اجازت دی ہے۔

☆ اہل السنۃ والجماعۃ فقہ حنبلی کے ہر دلعزیز معمر عالم الشیخ المحدث عبداللہ بن احمد الناحی الیافعی الحضرمی الیمنیؒ نے اپنی سند کے ساتھ انہیں حدیث کی اجازت دی ہے۔

☆ اہل السنۃ والجماعۃ فقہ حنفی اور سلسلہ دیوبند اور ندوہ کے عرب و عجم میں ممتاز عالم دین اور مفکر الاستاذ الکبیر الشیخ السید ابوالحسن علی الحسنی الندوی الہندیؒ نے اپنی سند کے ساتھ انہیں حدیث کی اجازت دی ہے۔

☆ مفسر اعظم پاکستان حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ فاضل دیوبند، محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ فاضل دیوبند، محقق العصر حضرت مولانا محمد نافع جھنگوی مدظلہ العالی فاضل دیوبند، الشیخ الکبیر حضرت مولانا مفتی جمال احمد المظاہری البیویؒ فاضل مظاہر العلوم سہارنپور اور الاستاذ الکل الشیخ حضرت مولانا عبدالقیوم الھزرویؒ فاضل جامعہ خیر المدارس جیسے اساطین علم و فضل نے بھی اپنی سندوں کے ساتھ انہیں اجازت حدیث عطا فرمائی ہے۔

☆ امام الہدیٰ جانشین امام الاولیاء حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ فاضل دیوبند نے اپنے

دست حق پر انہیں بیعت فرمایا اور راشدی کی نسبت بھی عطا فرمائی۔

☆ مفکر اسلام حضرت مولانا السید ابوالحسن علی الندویؒ فاضل دیوبند نے اپنے دست مبارک پر انہیں بیعت فرمایا۔

☆ امام اہل السنۃ محدث کبیر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ نے اپنے دست بابرکت پر انہیں بیعت فرمایا اور خلافت سے سرفراز فرمایا، اپنی مسند تفسیر و حدیث پر بٹھایا، تصوف کے موضوع پر کتاب لکھنے کا حکم فرمایا اور اپنا جنازہ پڑھانے کی وصیت بھی فرمائی۔

☆ مجاہد ملت حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ، حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبد اللہ درخواستیؒ اور مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ وغیرہ اکابر کا مکمل اعتماد اور رفاقت بھی آپ کو نصیب ہوئی۔

الغرض یہ ایک طویل داستان ہے، مولانا راشدی کی شخصیت کو سمجھنے، جانچنے اور پرکھنے کے لئے نسل نو کو عموماً اور ان پر نقطہ چینی کرنے والے حضرات کو خصوصاً بانی دارالعلوم حجتہ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے فلسفہ اور علوم کے وارث حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی تقریر کے چند اقتباسات ضرور مطالعہ کرنے چاہئیں جو انہوں نے اسلاف کی موت کے ضمن میں موجودہ دور کے علماء کی ذمہ داریوں اور طرز عمل اور ان کے نتائج کے بارے میں ارشاد فرمائے ہیں، ملاحظہ ہوں۔

..... ”ایک زمانہ تھا کہ روایت کا غلبہ تھا، عوام میں سے کوئی اس وقت تک دین کی بات نہیں مانتا تھا، جب تک کہ سند پڑھ کر کوئی حدیث نہ سنا دی جائے تو یہ روایت کا دور تھا، روایتی طور پر دین کو قائم کیا جاتا تھا، اس کے بعد عقل پسندی کا دور آیا، یہ معتزلہ کا دور تھا، کوئی شخص دینی مسئلہ نہیں جانتا تھا جب تک کہ عقل کے پیرائے میں نہ سمجھائیں، تو ایسے علماء اللہ نے کھڑے کئے، امام رازیؒ، امام غزالیؒ کہ انہیں کی زبان میں دین سمجھایا، ان کو تائب کیا، پھر ایک زمانہ تصوف پسندی کا آیا، جب تک صوفیانہ رنگ میں کوئی نہ سمجھائے، لوگ نہیں سمجھتے تھے، تو اللہ نے ایسے صوفیائے کرام کھڑے کئے کہ ہر مسئلہ کو صوفیانہ رنگ میں ڈھالتے کہ لوگ ماننے پر مجبور ہو گئے، آج حیات کا دور ہے، فلسفہ قدیم کا دور ختم ہو گیا جو محض نظریاتی طور پر

فلسفہ تھا، اب حیات کا دور ہے، مشاہدات کا دور ہے، جب تک ایسے علماء نہ ہوں کہ مشاہدات کے انداز میں، سائنس کے انداز میں، حسی مثالوں سے دین کو نہ سمجھائیں گے، لوگ نہیں سمجھیں گے، اگر بڑے ہی لوگ بیٹھے رہتے، آج کی اصطلاحات سے ناواقف ہوتے تو دین نہ سمجھا سکتے، اللہ نے انہیں اٹھا لیا، ان کے خلفِ صالح پیدا کر دیئے کہ وہ اس دور کے مطابق اسی رنگ میں سمجھائیں.....

.....”اگر قیامت تک سارے بڑے بیٹھے رہا کرتے تو چھوٹوں کے جوہر کھلنے کی کوئی صورت نہ ہوتی، چھوٹوں کا نہ علم سامنے آتا نہ کمال مگر بڑوں کا کمال سامنے رہتا، سب اسی میں لگے رہتے، اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک دنیا میں تشریف رکھتے تو صحابہؓ کے جوہر نہیں کھل سکتے تھے، وہ ہر وقت اطاعت اور اطاعت گزاری میں رہتے، مستقل ہو کر آگے آ کر اپنی طبیعت اور قلب کے جوہر نہ دکھلاتے، نہ صدیق اکبرؓ کے جوہر کھلتے نہ فاروق اعظمؓ کے جوہر کھلتے، یہ جہی ہوا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے، اور یہ قائم مقام بنے، قائم مقامی کا کام انجام دیا، اس میں تمام جوہر کھلے.....

.....”سو برس میں ایک نسل ختم ہو کر دوسری نسل کا آغاز ہو جاتا ہے اور ہر آئندہ آنے والی نسل کے نظریات الگ ہوتے ہیں، افکار الگ ہوتے ہیں، نفسیات الگ ہوتی ہیں، اس لئے ضرورت پڑتی ہے کہ اسی دور کے اہل علم اپنی نفسیات میں ان کو دین سمجھانے والے ہوں، پرانے لوگ اگر ہوتے تو اپنی نفسیات میں سمجھاتے تو وہ لوگ دین کو نہ سمجھ سکتے، اس لئے اللہ نے موت کو رکھا تا کہ نئے لوگ جب آئیں تو نئے مجد بھی پیدا ہوں، اسی زمانے کی اصطلاح میں، اسی زبان میں، اسی ڈھنگ سے دین کو پیش کریں اور سمجھائیں.....

(خطبات حکیم الاسلام ج ۲ ص ۳۶۴ تا ۳۶۶)

فقہ حنفی کے مشہور فتاویٰ حاشیہ ابن عابدین علی الدر المختار میں مشہور مقولہ درج ہے کہ من لم يعرف اهل زمانه فهو جاهل، افسوس اس بات کا ہے کہ آج اکثر سطحی علوم کے حامل علماء اس دور کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے عوام کی صحیح راہنمائی کے جوہر سے محروم ہیں، اسی لئے مؤرخ ابن خلدون نے اپنے ”مقدمہ“ میں ایک فصل کا عنوان قائم کرتے ہوئے، کیا عجیب

تبصرہ کیا ہے ان العلماء من بین البشر ابعد عن السياسة اور جن میں اللہ رب العزت نے یہ صلاحیت رکھی ہے، ان کو قدم قدم پر اپنوں اور بیگانوں کی طعن و تشنیع، گالی گلوچ، الزام تراشی، بہتان بازی، دشنام طرازی اور نت نئے پراپیگنڈوں کا سامنا ہے، بجائے اس کے کہ انہیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ ہماری جماعت میں اللہ نے ایسے صلاحیت والے لوگ پیدا کر رکھے ہیں جو بعض معاملات میں پوری جماعت کی طرف سے تنہا فرض کفایہ ادا کر رہے ہیں، ایسے معترضین کا حال یہ ہے کہ وہ اپنی ذہنی رسائی کی حد تک پہنچ کر آگے آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور سنیت، خفیت اور دیوبندیت کو بس اسی خول میں مقید دیکھنا چاہتے ہیں جو انہیں نظر آ رہا ہے۔ حالانکہ دیوبندیت تو ایک بحر بیکراں ہے جس کی لامحدود وسعتوں کو ایک جوہر میں تبدیل کرنے کا خواب کبھی پورا نہ ہو سکے گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔

تحدیثِ نعمت کے طور پر ہم یہ کہنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے، اور اسے پاکستان کا بچہ بچہ بھی جانتا ہے کہ دیوبندیت کی صحیح علمی و تحقیقی ترجمانی جتنی جامعہ نصرۃ العلوم اور اس کے مشائخ نے کی ہے، اتنی کسی بڑے سے بڑے ادارہ کو بھی نصیب نہیں ہوئی، آج دیوبندیت کا ٹکٹ اور سرٹیفیکیٹ وہ لوگ تقسیم کرنا چاہتے ہیں جو خود دیوبندیت کی صحیح تعریف کرنے سے بھی عاجز و قاصر ہیں۔

مولانا راشدی کے خلاف مخالفین کا سب سے بڑا الزام یہ ہے کہ انہوں نے آزاد فورم قائم کیا ہے جس کی دیوبندیت میں کوئی مثال نہیں ہے، حالانکہ ایسے لوگ اکابر کی تحریرات اور طرز و روش سے بالکل ہی نابلد ہیں، یہ لوگ جانشین شیخ الہند، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ صدر المدرسین دار العلوم دیوبند کے بارے میں کیا فتویٰ صادر فرمائیں گے جنہوں نے آزاد فورم کی ایک منظم طریقے سے طرح ڈالی، ان کا سورت کے مقام میں ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۶ء میں جمعیت علماء ہند کے انیسویں اجلاس میں تحریری پیش کردہ خطبہٴ صدارت ملاحظہ فرمائیں کہ انہوں نے جمعیت علماء ہند کو کیا تجاویز دی تھیں۔

لکھتے ہیں،

..... ”جمعیت علماء ہند کا ادارہ نشر و اشاعت اس سلسلہ میں متعدد قیمتی رسالے اور کتابچے

شائع کر چکا ہے، مگر جب تک اصحاب استطاعت اور ہمدردانِ ملت اپنے فرض کو محسوس کرتے ہوئے اس کے ساتھ تعاون نہ کریں گے، اس ادارہ کی فیض رسانی اور افادیت کا دائرہ خاطر خواہ وسعت اختیار نہیں کر سکے گا، اس ادارہ کو کامیاب بنا کر ہم اس فرض کو انجام دے سکیں گے جو حدود وطن میں ہم پر عائد ہوتا ہے، مگر جو دعوتِ عمومی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمائی ہے جس کا مخاطب کسی ملک یا خطہ کو نہیں بلکہ پوری نوع انسان کو گردانا گیا ہے، وہ ایک ایسے ادارہ نشر و اشاعت کا مطالبہ کرتی ہے جس کا پیانا ہمارے اس ادارہ سے بہت زیادہ وسیع ہو اور جس کا دامن پوری دنیا کے ہر ایک سمجھنے والے انسان تک دراز ہو سکے.....

..... ایسے ہی ہمارے ادارہ نشر و اشاعت اور ہماری تعلیمی انجمنوں کا بھی فرض ہے کہ جس طرح وہ بڑوں کی معلومات کے لئے کتابچے مرتب کریں، ایسے ہی بلا لحاظ مذہب و ملت ہر ایک بچے کے سامنے بھی ایسے دلچسپ رسالے پیش کریں جن سے وہ تمام ہی فرقوں کے پیشواؤں کو جان سکیں اور ان کے احترام کے لئے ابتداء ہی سے ان کے ذہن و دماغ میں گنجائش پیدا ہو سکے۔” (خطباتِ صدارت ص ۲۸۴ تا ۲۸۶)

افسوس صد افسوس کہ یہی کام اگر مولانا راشدی کریں تو وہ قابلِ گردن زدنی قرار پائیں، ہم اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا گو ہیں کہ وہ ایسے مخالفین کو صراطِ مستقیم کی ہدایت نصیب فرمائے اور اس کتاب کو اہل اسلام کیلئے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل میں صحیح امتیاز کا ذریعہ بنائے، آمین یا رب العالمین۔

از احقر محمد فیاض خان سوانی

خادم جامعہ نصرۃ العلوم

۵ رجب المرجب ۱۴۳۵ھ / ۵ مئی ۲۰۱۴ء

شواہدات بجواب نوازشات

کتاب ”عقائد اہلسنت اور علامہ زاہد الراشدی صاحب کی نوازشات“ پر ایک نظر

تمہید

ہمارے مخدوم اور محترم بزرگ جانشین امام اہل السنۃ شیخ الحدیث والفسیر حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب زید مجدہم ایک جامع الصفات شخصیت ہیں، جو متعدد وجوہ سے اپنے اقران میں ممتاز ہیں، خاص کر اسلام پر مغربی اعتراضات والزامات کا رد کرنے، ذہن جدید کے اشکالات کو حل کرنے، ملکی اور بین الاقوامی معاملات پر جاندار تبصرہ کرنے میں اپنی مثال آپ ہیں، اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر پر اسلام کے عطا کردہ انسانی حقوق کی برتری واضح کرنا آپ کا خاصہ ہے، اور بہت سے دوستوں کے نزدیک اس سلسلہ میں آپ کو اتھارٹی کا درجہ حاصل ہے۔

یہ دنیا کا ایک مسلمہ اصول ہے کہ کوئی بھی شخصیت کتنی ہی معروف اور مقبول کیوں نہ ہو اس کے ناقدین بہر حال کچھ نہ کچھ تعداد میں ضرور موجود رہتے ہیں، جو اس کی شخصیت کو مجروح کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، اور اس سلسلہ میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کرنے میں وہ اپنے لئے سعادت اور نجات کا راستہ خیال کرتے ہیں، اسی اصول کی صداقت پر گواہی ثبت کرتی ہوئی ایک کتاب ”عقائد اہل سنت اور علامہ زاہد الراشدی صاحب کی نوازشات“، گزشتہ دنوں ہماری نظر سے گزری، اس کے مصنف جناب محترم مولانا محمد عبدالرحیم چاریاری صاحب نے اول تا آخر کتاب میں ایک ہی چیز کو ملحوظ رکھا ہے، اور وہ ہے علامہ راشدی کی شخصیت کو مجروح کرنا، اور حضرت کی شخصیت پر کچھڑا اچھالنے کے شوق

میں مولانا موصوف اخلاقیات کی حدود کو کراس کرتے ہوئے بہت آگے نکل گئے ہیں، یہاں تک کہ انہوں نے جن حضرات صاحب سے اپنی اس کتاب پر حرف آغاز لکھوایا ہے انہوں نے بھی اس بات کا اقرار کیا ہے کہ ”مرتب موصوف نے حضرت راشدی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے بہت سے مقامات پر حد ادب ملحوظ رکھا نہ فرق مراتب کا لحاظ کیا“ حضرت چاریاری صاحب نے اپنے ذوق کی تسکین کی خاطر الزامات اور اعتراضات کی حیثیت دیکھے بغیر سنسنی خیز انداز میں انہیں پیش کر دیا، کتاب پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چاریاری صاحب نے کتاب میں غیر متعلقہ مواد کو بڑی اہمیت دی ہے، کتاب کا حجم بڑھانے کی خاطر ایسے اعتراضات اور الزامات جن کا پہلے بھی متعدد مرتبہ جواب دیا جا چکا ہے انہیں از سر نو نقل کر دیا، بعض باتیں مولانا عمار خان ناصر صاحب کی آڑ میں مولانا راشدی کے کھاتے میں ڈالنے کی بے جا کوشش کی، پھر الشریعہ میں شائع شدہ بعض تحریروں کو مولانا راشدی کا موقف بنا کر پیش کیا گیا، جبکہ مولانا راشدی کئی مرتبہ کہہ چکے ہیں کہ ”الشریعہ میں شائع ہونے والی کوئی بھی تحریر، خواہ وہ عزیزم حافظ محمد عمار خان ناصر سلمہ کی ہو یا کسی اور دوست کی، وہ مباحثہ کا حصہ تو ہو سکتی ہے لیکن الشریعہ کا موقف نہیں، اور نہ ہی وہ راقم الحروف کا موقف ہے“۔ ان سطور میں ہم صرف علامہ راشدی سے متعلق ان اعتراضات اور الزامات کی حقیقت واضح کریں گے جو چاریاری صاحب نے بڑے اہتمام کے ساتھ اپنی کتاب میں درج کئے ہیں۔

یہ کتاب اخلاقیات کے تمام اصولوں کو بلائے طاق رکھ کر لکھی گئی ہے، اسی وجہ سے مولانا عبدالرحیم چاریاری نے کتاب کا ٹائٹل اس عنوان سے شائع کیا ہے ”عقائد اہل سنت اور علامہ زاہد الراشدی صاحب کی نوازشات“

یہود و نصاریٰ کی ہمنوائی

جلداول

قادیانیت نوازی

غامدیت نوازی

رافضیت نوازی

مودودیت نوازی

مما تیت نوازی

بریلویت نوازی

حقیقی جانشین کون؟

آزاد فورم کیا ہے؟

تنقید اور توہین میں فرق کی بحث

اس کتاب کے پہلے باب کو (علامہ زاہد الراشدی صاحب کی) ”یہود و نصاریٰ سے ہم نموائی“ کا نام دیا ہے، مولانا راشدی نے ایک مقام پر اس شرمناک حقیقت سے کیا خوب پردہ اٹھایا ہے کہ ”یہ بات ہمارے کلچرل مزاج اور نفسیات کا حصہ بن چکی ہے کہ ہم جس سے اختلاف کرتے ہیں، اسے کسی نہ کسی کا ایجنٹ قرار دیے بغیر ہماری نفسیات کی تسکین نہیں ہوتی“ چنانچہ اس باب کے ضمن میں وہ مولانا راشدی کے اس اقتباس کو خوب زیر بحث لائے ہیں کہ ”مسلمان محبوب خدا کی ذات اقدس پر تنقید برداشت کر سکتے ہیں مگر توہین نہیں“۔ اپنی گزارشات پیش کرنے سے پہلے ہم مولانا راشدی کے دو اقتباس جو اسی کتاب سے لئے گئے ہیں ذیل کی سطور میں درج کرتے ہیں۔

(۱) مسلمان تنقید برداشت کر سکتا ہے مگر توہین نہیں۔ مولانا زاہد الراشدی

دشمن نے بڑے شرکاء آغاز کیا، مسلمانان عالم بیکجہتی کا مظاہرہ کر کے کڑے امتحان میں سرخرو ہوئے۔ گستاخ رسول کی سزا صرف اور صرف موت ہے۔ پاکستان شریعت کو نسل کے تحت عظمت ناموس مصطفیٰؐ کا نفرت سے خطاب۔

کراچی (سٹاف رپورٹر) پاکستان شریعت کو نسل کے جنرل سیکرٹری اور جامعہ نصرت العلوم گوجرانوالہ کے شیخ الحدیث مولانا زاہد الراشدی نے کہا کہ اس وقت عالم اسلام فکری

نظریاتی اور ثقافتی جنگ میں مبتلا ہے اور اس جنگ میں مغرب سازش کے تحت کھینچ کر لایا ہے۔ دشمن نے رسالت مآبؐ کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کر کے بڑے شر کا آغاز کیا اور مسلمان کی غیرت کو لاکارا ہے، مگر مسلمانوں نے پوری دنیا میں یکجہتی کا مظاہرہ کر کے اس امتحان میں کامیابی کا ثبوت پیش کر دیا ہے۔ گستاخ رسولؐ کی سزا صرف اور صرف موت ہے۔ اس کے علاوہ کسی سزا کا تصور نہیں۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے جامعہ انوار القرآن کراچی میں پاکستان شریعت کونسل کے تحت عظمت ناموس مصطفیٰؐ کا نفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ اس موقع پر شیخ الحدیث مولانا زرولی خان، مولانا اسفندیار ولی اور مولانا قاری مفتاح نے بھی خطاب کیا۔ مولانا زاہد الراشدی نے اپنے کلیدی خطاب میں کہا کہ ڈنمارک کے اخبار نے سوچی سمجھی سازش کے تحت حضورؐ کی شان میں گستاخانہ خاکے شائع کئے۔ اس حرکت کے بعد مسلمانوں نے صدائے احتجاج بلند کی تو گستاخ کارٹونسٹ نے ایک طویل مضمون لکھا۔ جس میں اس نے کہا کہ مسلمان تنقید برداشت نہیں کر سکتے اور ہم عدم برداشت کو برداشت نہیں کر سکتے۔ مولانا نے کہا کہ تاریخ اور حقائق کی روشنی میں کارٹونسٹ کی دونوں باتیں غلط ہیں۔ مسلمان تنقید تو برداشت کرتا ہے مگر توہین اور تنقیص کبھی برداشت نہیں کرتا۔ تاریخ گواہ ہے کہ حضورؐ کی ذات اور قرآن کریم پر جو تنقید کی گئی تو دلائل سے اس کا جواب دیا گیا مگر گستاخی کو کبھی بھی معاف نہیں کیا گیا۔ آج بھی مسلمان تنقید کو برداشت کریں گے مگر توہین کسی صورت برداشت نہیں ہوگی۔ (روزنامہ اسلام بدھ ۷ صفر ۱۴۲۷ھ مطابق ۸ مارچ ۲۰۰۶ء)

(۲) مغرب، مذہب اور آسمانی تعلیمات سے عاری ہو کر حیوانیت پر اتر آیا مولانا زاہد الراشدی

یورپی و امریکی مصنوعات کو شکست دینے کیلئے حکومتی سطح پر بائیکاٹ ضروری ہے۔ وسیع پیمانے پر ڈائیلاگ کی ضرورت ہے۔ خاکے مسلمانوں کی زندگی اور موت کا مسئلہ ہے، تنقید برداشت ہے توہین و تنقیص برداشت نہیں، مجلس عمل فاؤنڈیشن کے سیمینار سے خطاب۔

کراچی (سٹاف رپورٹ) مولانا زاہد الراشدی نے کہا کہ آج کل کے مادی اور گئے گزرے دور میں مسلمانوں کا ناموس رسالت کے تحفظ کیلئے متحد ہو کر آواز بلند کرنا حضورؐ کی ذات گرامی کا اعجاز ہے۔ مغرب، مذہب اور آسمانی تعلیمات سے عاری اور دستبردار ہو چکا ہے۔ اس لئے حیوانیت پر اتر آیا ہے۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے یہاں مجلس عمل فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام منعقدہ سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ اس موقع پر مولانا عزیز الرحمن رحمانی، ڈاکٹر عامر طاسین، قاری محمد اقبال، مولانا زبیر احمد چترالی، ملک نواز اے اعوان، مولانا طلحہ رحمانی، مولانا عزیز الرحمن، مولانا احمد بنوری اور دیگر حضرات موجود تھے۔

مولانا زاہد الراشدی نے کہا کہ یورپی و امریکی مصنوعات کو اگر اقتصادی و فکری جنگ میں شکست دینی ہے تو حکومتی سطح پر ان کی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا جائے، تب ہی یہ ہتھیار کارگر ہوگا۔ اور فکری سطح پر وسیع پیمانے پر ڈائیلگ کی ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا کہ اب مغربی تہذیب و کلچر شکست کے راستے پر چل پڑا ہے۔ اور ہر محاذ پر ناکام ہو کر جارحیت اور گالم گلوچ پر اتر آیا ہے۔ اس کے ترکش میں دلائل و براہین کے تیر نہیں رہے۔ انہوں نے کہا کہ اب معاملہ محض خاکوں کی اشاعت کا نہیں رہا بلکہ مسلمانوں کی زندگی و موت کا مسئلہ بن چکا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مغرب مسلمانوں پر الزام عائد کرتا ہے کہ مسلمان تنقید کو برداشت نہیں کرتے جب مسلمان تنقید کو برداشت نہیں کریں گے تو بحث و مباحثہ کیسے ہوگا اور یہی بات ملعون کارٹونسٹ نے اپنے حالیہ طویل مضمون میں بھی لکھی ہے اور اپنی گستاخی پر ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس طرح کے کارٹون تو دنیا کی تمام بڑی شخصیات کے چھپتے رہتے ہیں۔ لہذا مسلمانوں کو تنقیدی پہلو کو برداشت کرنا چاہیے۔ مولانا زاہد الراشدی نے کہا کہ مغربی دانشوروں اور ملعون کارٹونسٹ کی بات تاریخ کے میزان اور عقل کی روشنی میں بھی غلط ہے۔ انہوں نے کہا کہ مسلمانوں نے ہمیشہ تنقید کو برداشت کیا ہے اور تنقید کا دلائل کی روشنی میں جواب بھی دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ تنقید تو ہمیشہ ہوتی رہتی ہے اور ہوتی رہے گی اور اس کا مثبت انداز میں دلائل سے جواب بھی دیا جائے گا۔ مگر تنقید اور توہین میں فرق

ہے۔ مسلمان تنقید کو برداشت کر لے گا مگر توہین و تنقیص برداشت نہیں ہوگی۔ (روزنامہ اسلام بدھ ۹ صفر ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۰ مارچ ۲۰۰۶ء)

ان اقتباسات میں کوئی بھی ایسی بات نہیں کی گئی جو مسلمات کے خلاف ہو، البتہ چاریاری صاحب کو ان الفاظ سے شدید اختلاف ہے کہ ”تنقید اور توہین میں فرق ہے“ اور یہ کہ ”مسلمان تنقید برداشت کر سکتا ہے مگر توہین نہیں“۔ جبکہ علامہ راشدی فرماتے ہیں ”تاریخ گواہ ہے کہ حضورؐ کی ذات اور قرآن کریم پر جو تنقید کی گئی تو دلائل سے اس کا جواب دیا گیا مگر گستاخی کو کبھی بھی معاف نہیں کیا گیا“۔ اس سلسلہ میں ہماری گزارشات حسب ذیل ہیں۔

تنقید و توہین میں فرق اور اکابر علماء دیوبند

☆ بانی دارالعلوم دیوبند قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مصنف اظہار الحق حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ اور ان جیسے دیگر کئی مسلم مناظرین غیر مسلم، ہندوؤں، یہودیوں اور عیسائیوں کی طرف سے مناظروں میں اسلام، قرآن اور صاحب قرآنؐ پر اعتراضات اور تنقیدات کو برداشت کرتے رہے ہیں، اگر تنقید اور توہین میں کوئی فرق نہیں تو غیر مسلموں سے مناظروں کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے، پھر تو غیر مسلم مناظرین اور مستشرقین قتل کے مستحق گردانے جانے چاہئیں لیکن چاریاری صاحب کی اطلاع کے لیے ہماری نظر سے ایسا کوئی فتویٰ نہیں گزرا جس میں غیر مسلم مناظرین اور مستشرقین سے متعلق قتل کی بات کی گئی ہو (کیوں کہ توہین کی سزا صرف اور صرف قتل ہے)، کیا ہمارے اکابر اپنے فرائض منصبی سے اتنے بے خبر اور اتنے بے حس تھے کہ غیر مسلم مناظرین اور مستشرقین، رسول خداؐ کی توہین (بقول آپ کے تنقید بھی توہین ہے) کرتے رہے اور یہ حضرات برداشت کر کے صرف جواب دینے پر اکتفاء کرتے رہے؟۔

☆ منکرین حدیث بالخصوص سرسید احمد خان، مولوی چراغ علی، مولوی عبداللہ چکڑالوی، خواجہ احمد دین امرتسری، مستری محمد رضوان گوجرانوالہ، حافظ محمد اسلم حیراج پوری، علامہ عنایت اللہ المشرقی، نیاز فتح پوری، علامہ تمنا عمادی، ڈاکٹر غلام جیلانی برق، غلام احمد

پرویز، ڈاکٹر فضل الرحمن، مولانا جعفر شاہ پھلواری، علامہ حبیب الرحمن کاندھلوی، مولوی عمر احمد عثمانی، محبوب شاہ گوجرانوالہ، مولوی محب الحق عظیم آبادی، قمر الدین قمر، حشمت علی لاہوری، خدا بخش، سید عمر شاہ گجراتی، سید رفیع الدین ملتانی، سید مقبول احمد وغیرہ نے حدیث و سنت کی تشریحی حیثیت کے بارے میں اپنے تحفظات کا اظہار کر نیکے ساتھ ساتھ ان میں سے بیشتر حضرات نے متون حدیث (یعنی رسالت مآبؐ کے اقوال و افعال) پر کھل کر تنقید کی ہے۔ لیکن ہماری ناقص معلومات کی حد تک ان میں سے کسی پر بھی قتل بر توہین کا فتویٰ جاری نہیں کیا گیا، جبکہ ان کے معاصر اہل حق ہمیشہ مدلل انداز میں ان کی تنقیدات کا جواب دیتے رہے ہیں۔

ان کے علاوہ دیگر متجددین مثلاً مولانا شبیر احمد ازہر میرٹھی، مولانا حمید الدین فراہی، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا وحید الدین خان اور جناب جاوید احمد غامدی کی حدیث و سنت پر کرم فرمائیاں بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں، لیکن اس کے باوجود ہمارے اکابر نے ہمیشہ تحمل، برداشت اور پوری دیانت داری کے ساتھ اپنی کتب میں ان کے دلائل کو بیان کر کے پھر ان کا رد کیا ہے۔

☆ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کی تصنیف لطیف ”اسلام کا اخلاقی نظام“ جو ایک عیسائی پادری ڈاکٹر اودے مسیح (Udai Masih) کے خط کے جواب میں لکھی گئی ہے اور آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ اسلام اور پیغمبر اسلامؐ پر تنقید کا جواب حضرت قاری صاحبؒ نے بڑے مدلل اور اپنے مخصوص حکیمانہ انداز میں دیا ہے اور یہ بھی کہ عیسائی پادری کو توہین رسالتؐ کا ملزم گردان کر قتل کا فتویٰ نہیں صادر فرمایا بلکہ کتاب کے ابتدائیہ میں اس کا پورے کا پورا خط من و عن درج کر دیا ہے۔ جوابی خط کے شروع میں لکھتے ہیں کہ ”مکرم بندہ جناب ڈاکٹر صاحب زید لطفکم“۔ توہین رسالت کے مرتکب کے لیے قاری صاحبؒ اتنی تکریم کیسے گوارا کر گئے؟۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حکیم الاسلامؒ کے نزدیک بھی توہین اور تنقید میں فرق موجود ہے۔ (چاریاری صاحب سے کوئی

بعید نہیں کہ وہ ایک کتاب یا رسالہ ”قاری طیب صاحبؒ کی عیسائیوں سے ہمنوائی“ لکھ ڈالیں) ☆ خود مولانا زاہد الراشدی صاحب رقمطراز ہیں ”اب سے ڈیڑھ صدی قبل ایک ہندو دانشور پنڈت دیانند سرتی نے اپنی کتاب ”ستیا رتھ پرکاش“ میں، جولاہور سے شائع ہوئی تھی، قرآن کریم اور جناب نبی اکرمؐ کے بارے میں ایک سو سے زیادہ اعتراض کئے تھے، لیکن بات چونکہ اختلاف کے لہجے میں کسی حد تک دلیل کے ساتھ کی تھی، اس لئے علمائے کرام نے ان اعتراضات کے جوابات دلیل کے ساتھ دیئے، جن میں مولانا قاسم نانوتویؒ اور مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ سب سے پیش پیش تھے، لیکن اسی لاہور میں راجپال نے ”رنگیلا رسول“ کے نام سے توہین آمیز کتاب لکھی تو اس کا جواب غازی علم الدین شہید نے دیا تھا اور یہ جواب غازی شہید کو ہی دینا چاہئے تھا۔ اسی طرح انگریز دانشور سر ولیم میور نے جناب نبی اکرمؐ کے بارے میں اپنی کتاب میں کچھ اعتراضات کئے تو ان کا جواب سر سید احمد خان مرحوم نے کتاب کی صورت میں دیا، لیکن لندن سے سلمان رشدی کی کتاب شائع ہوئی، جس میں جناب نبی اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ کا مذاق اڑایا گیا ہے تو اس پر دنیا بھر کے مسلمان سراپا احتجاج بن گئے۔“

☆ مولانا راشدی مزید فرماتے ہیں کہ ”جہاں تک اختلاف اور تنقید کا تعلق ہے، اس کو مسلمانوں سے زیادہ کس نے برداشت کیا ہے؟..... مغرب کے مستشرقین صدیوں سے اسلام، قرآن کریم، جناب نبی اکرمؐ اور مسلمانوں کی تہذیب و کلچر کے خلاف مسلسل لکھتے آرہے ہیں اور مغرب کی یونیورسٹیوں کی لائبریریاں اس قسم کی کتابوں اور مقالات سے بھری پڑی ہیں۔ مسلمانوں نے ہمیشہ ان کا جواب مقالات اور کتابوں کی صورت میں دلائل کے ساتھ دیا ہے اور اب بھی دلیل اور متانت کے ساتھ کئے جانے والے اعتراضات کا جواب دلیل اور متانت کے ساتھ ہی دیا جا رہا ہے، لیکن تمسخر و استہزاء اور توہین و تحقیر کو کسی دور میں بھی برداشت نہیں کیا گیا، وہ آج بھی برداشت نہیں ہے اور آئندہ بھی کبھی برداشت نہیں ہوگا۔ جن دنوں سلمان رشدی کی توہین آمیز کتاب کے خلاف دنیا بھر میں احتجاج جاری تھا برمنگھم

(برطانیہ) میں اس سلسلہ میں ہونے والے ایک جلسہ میں میری تقریر کے دوران ایک نوجوان نے کھڑے ہو کر سوال کیا کہ علمائے کرام اس کتاب کا جواب کیوں نہیں لکھتے؟ میں نے عرض کیا بیٹا جواب دلیل کا ہوتا ہے، گالی کا نہیں، اگر کوئی شخص مجھے گالی دیتا ہے یا سرعام میری تحقیر اور توہین کرتا ہے، تو میں اس کا جواب دینے کے لئے کسی لائبریری کا رخ نہیں کروں گا، بلکہ جو چیز میرے ہاتھ میں ہوگی، اس کے منہ پر دے ماروں گا۔ مغرب کا میڈیا، بلکہ دانش بھی اختلاف اور توہین میں فرق نہیں کر رہی اور تنقید اور تمسخر کو ایک ہی دائرے میں شمار کر رہی ہے۔ اس رویے کو میں خود اپنی ذات کے بارے میں برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں تو اپنے آقا و مولا حضرت رسول اکرمؐ کے بارے میں کیسے برداشت کر لوں گا؟“۔ (نوائے قلم، روزنامہ پاکستان لاہور ۲۸ ستمبر ۲۰۱۲ء)

ایک غلط فہمی کا ازالہ

☆ البتہ اس مقام پر ہم ایک شدید غلط فہمی کا ازالہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ بلاشبہ رسالت مآبؐ کی ذات مقدس تنقید سے بالا ہے اور یہ اہلسنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے اور مولانا زاہد الراشدی صاحب کا بھی یہی نظریہ ہے۔ چنانچہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی صاحب قدس اللہ سرہ العزیزؒ ”لا ریب فیہ“ کی تفسیر میں فرماتے ہیں ”کسی چیز کے بارے میں شک و شبہ کی دو جوہات ہوتی ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اس چیز میں واقعی کوئی نقص ہوتا ہے جس کی وجہ سے شک پیدا ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس چیز میں تو کوئی شک و شبہ یا نقص نہیں ہوتا مگر شک کرنے والے کے اپنے دماغ کی خرابی اور خلل کی وجہ سے اسے وہ چیز مشکوک نظر آتی ہے، ظاہر ہے کہ قرآن پاک کی ایک ایک آیت اس کا ایک ایک لفظ شک و شبہ سے پاک ہے۔ اس میں نہ کوئی کذب بیانی ہے اور نہ ہی کوئی خلاف واقعہ چیز ہے۔ یہ تو محض شک کرنے والے کے اپنے ذہن کا فتور ہے۔“ (تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن جلد ۲ صفحہ ۴۶ از مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبد الحمید خان سواتیؒ) اسی طرح سرکارِ دو عالمؐ پر جو تنقید بھی کی گئی ہے یا کی جائے گی وہ تنقید کرنے والے کے اپنے ذہن کا فتور ہوگا

کیونکہ آپؐ تو معصوم عن الخطاء اور ہر قسم کے شک و شبہ، نقض اور عیب سے پاک ہیں۔ اس سلسلہ میں تقریباً سال ڈیرھ سال قبل ہم نے براہ راست مولانا زاہد الراشدی صاحب سے استفسار کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ”ہم تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر تنقید کو جائز نہیں سمجھتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ تو اس سے بھی بڑھ کر ہے، لیکن اس سے غیر مسلم معترضین اور ناقدین کو تو کوئی فرق نہیں پڑتا، وہ تو تنقید کریں گے، اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ان کے اعتراضات یا تنقیدات کو توہین کا نام دے کر ان سے منہ ہی موڑ لیا جائے، ظاہر ہے کہ وہ جو سوالات یا اعتراضات کرتے ہیں ان کا جواب تو دینا چاہیے نہ کہ ”توہین ہے، توہین ہے“ کہہ کر چپ سادھ لینی چاہیے، ہم تو مانتے ہیں کہ حضورؐ تنقید سے بالا ہیں، لیکن اتنا کہہ دینے سے ناقدین کے منہ بند نہیں ہونے والے، ہم نے تو دنیا کے سامنے رسول اللہؐ کو بے عیب جیسا کہ وہ ہیں اسی انداز میں پیش کرنا ہے، ہاں! اس کے بعد اگر کوئی توہین کا راستہ اختیار کرے تو معاملہ بدل جاتا ہے“۔ ممکن ہے کہ راقم مولانا راشدی کی بات کو حرف بہ حرف نقل نہ کر سکا ہو، بہر حال مولانا راشدی کی بات کا مفہوم بالکل یہی تھا۔ ایک اور مجلس میں مولانا راشدی سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ”میں عام طور پر اس حوالہ سے اختلاف کا لفظ استعمال کیا کرتا ہوں ممکن ہے کسی موقع پر تنقید کا لفظ کہہ دیا ہو مگر اس سے میری مراد اختلاف ہی ہوتا ہے نیز یہ بھی کہا کہ تنقید کو اختلاف کے معنی میں لیا جائے تو اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں ہے البتہ اگر کچھ لوگ تنقید اور توہین کو مترادف سمجھتے ہیں تو بات اور ہے لیکن ہمارے ہاں اکابر اہل علم کی آراء پر جو ”علمی نقد“ کیا جاتا ہے وہ تنقید ہی ہوتی ہے اور اہل علم کے ہاں اسے کبھی توہین پر محمول نہیں کیا گیا“، یہ معاملہ ایسے ہی ہے جیسے ہمارا نظریہ ہے کہ انبیاء کرامؑ معصوم اور صحابہ کرامؑ محفوظ ہیں۔ لیکن اس کے باوجود جب بھی مودودی صاحب کی طرف سے انبیاء کرامؑ اور صحابہ کرامؑ پر تنقید کی گئی تو انتہائی مخدوم و محترم امام اہلسنت محدث کبیر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ اور قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین چکوالی نور اللہ مرقدہ بانی تحریک خدام اہلسنت والجماعت اور ان جیسے دوسرے بزرگوں

نے مودودی صاحب کو برداشت کرتے ہوئے ان کے الزامات کا دلیل کی بنیاد پر رد کیا ہے لیکن کسی نے بھی بزور طاقت ان کو ایسی آراء بیان کرنے سے نہیں روکا۔

اس سلسلہ میں ہم صدر مفتی دارالعلوم دیوبند فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کا ایک فتویٰ نقل کرنا چاہتے ہیں، مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ ”یہ بات بالکل مسلم ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں کسی بھی قسم کی گستاخی کرنے سے ایمان سلامت نہیں رہتا، البتہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی مصنف نے کوئی بات لکھی انتہائی احترام کو ملحوظ رکھ کر، گستاخی اس کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں مگر اس کی تحریر پڑھنے والا کچھ تصورات اپنے ذہن میں لئے ہوئے ہے جس کی وجہ سے کبھی دانستہ کبھی نادانستہ ایسا مطلب تجویز کرتا ہے جس سے گستاخی ٹپکتی یا پکائی جاسکتی ہے، پھر ایسی گستاخی کو مصنف کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور اس پر حکم لگایا جاتا ہے کہ اس کی یہی مراد ہے، یہ طریقہ غلط ہے۔ جو فقرے آپ نے سوال میں نقل کیے ہیں اگر ان کا قائل یا مصنف زندہ ہو تو خود اس سے دریافت کیا جائے، بغیر دریافت کئے کوئی سخت حکم نہ لگایا جائے، اگر وہ زندہ نہیں اس کی کتاب میں یہ موجود ہے تو وہ کتاب روانہ کر دی جائے، اس کو دیکھ کر بتایا جاسکتا ہے کہ کیا حکم ہے۔“ (فتاویٰ محمودیہ ج ۲ ص ۲۸۹) اس سلسلہ میں ایک لطیفہ کی بات یہ ہے کہ ”اس مسئلہ پر جب بعض دوستوں نے مختلف مدارس سے مولانا راشدی کے خلاف فتویٰ حاصل کرنے کی ہم چلائی تو بیشتر مفتیان کرام نے مولانا راشدی سے براہ راست تعارف رکھتے ہوئے کبھی خود ان سے ان کا موقف دریافت کرنے کی زحمت نہیں فرمائی البتہ جامعہ دارالعلوم کراچی اور جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہولاہور کے مفتیان کرام نے اس اخلاقی بلکہ شرعی ذمہ داری کو محسوس کیا اور خود مولانا راشدی سے بات کر کے ان سے ان کے موقف کی وضاحت طلب کی اور انہوں نے وہی وضاحت کی جو سطور بالا میں مذکور ہے۔“ افسوس صد افسوس کہ چار یاری صاحب کو اگر مولانا راشدی کی اس عبارت پر شدید اشکال تھا تو وہ براہ راست ان سے پوچھ ہی لیتے اور معاملہ حل ہو جاتا مگر اشکال رفع ہونے کی صورت میں سنسنی خیز کتاب کیسے تیار ہوتی؟۔ اللہ ہی ہدایت نصیب فرمائے، آمین۔

مفکر اسلام علامہ زاہد الراشدی صاحب فرماتے ہیں: ”مغرب کا مسلمانوں پر سب سے بڑا اعتراض یہی ہے کہ مسلمان بہت جذباتی اور غصے والی قوم ہے جو ہر بات پر پیش میں آ جاتی ہے اور خاص طور پر قرآن کریم اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے حوالے سے بہت زیادہ جذباتی ہو جاتی ہے۔ میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ جو بات مغرب کے نزدیک اعتراض و طعن کی ہے وہی بات ہمارے نزدیک خوبی اور کمال کی ہے، اس لئے کہ غصہ انسان کی فطرت ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم میں اور اس کے دل و دماغ میں محبت، نفرت، غصہ اور نرم دلی کے جو اوصاف رکھے ہیں، ان میں سے کوئی چیز بھی بے مقصد نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے مقصد اور بے مصرف چیزوں سے بہرہ ور نہیں فرمایا۔ غصہ اور نفرت بھی ایک بے مقصد صلاحیت ہے اور یہ کہنا کہ کسی انسان کو کسی حالت میں غصہ نہیں آنا چاہئے، بالکل خلاف فطرت بات ہے۔ البتہ دوسری صلاحیتوں اور قوتوں کی طرح غصہ، نفرت، غیرت اور حمیت کے اظہار کی بھی حد بندی کی گئی ہے کہ کس جگہ ان کا استعمال و اظہار جائز اور کہاں ناجائز ہے۔ جس طرح محبت ایک فطری امر ہے اور اس کے اظہار کی حدود شریعت نے متعین کی ہیں، اسی طرح نفرت اور غصہ بھی ایک فطری چیز ہے اور اللہ تعالیٰ کے دین فطرت میں ان کے اظہار و استعمال کی حدود متعین کی گئی ہیں۔ اگر کوئی شخص آ کر یہ کہتا ہے کہ اسے غصہ نہیں آتا تو وہ نفسیاتی مریض ہے اور ”اینارل“، شخص ہے، اسے اپنا علاج کرنا چاہئے، بالکل اسی طرح کسی شخص کو بار بار غصہ آتا ہے تو اسے بھی اپنے علاج کے لئے کسی ماہر نفسیات سے رجوع کرنا چاہئے، اس لئے میں عرض کرتا ہوں کہ آج کے مسلمان کو خواہ وہ کتنا ہی بے عمل اور بد عمل ہو، قرآن کریم کی بے حرمتی اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی پر غصہ آتا ہے اور اس کے خون میں جوش پیدا ہوتا ہے بلکہ ہمارے پاس آج کے دور میں یہی اصل سرمایہ اور اثاثہ ہے کہ ہمیں قرآن کریم کے حوالے سے غصہ آتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں غیرت آتی ہے، ہم آج کے مسلمان بھی بے عمل یا بد عمل ہیں مگر یہ بات تمام خرابیوں کے بعد آج بھی قائم ہے کہ دنیا کے کسی بھی حصہ میں کوئی مسلمان قرآن کریم کی توہین برداشت نہیں کرے گا، اس نے قرآن کریم پڑھا ہے یا نہیں، قرآن کریم پر اس کا عمل ہے یا نہیں مگر اس سے توہین برداشت نہیں ہوگی، وہ قرآن کریم کی حرمت پر کٹ مرنے کے لئے تیار ہو جائے گا، اسی طرح دنیا کے کسی بھی مسلمان شخص سے کوئی یہ بات کہے کہ قرآن کریم نے فلاں بات کہی ہے اور نعوذ باللہ وہ درست نہیں ہے، کوئی بھی مسلمان یہ جملہ سننے کے لئے تیار نہیں ہوگا کہ قرآن کریم نے خدا نخواستہ کوئی بات غلط کہی ہے، یہی صورت حال جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے حوالے سے بھی ہے۔ دنیا کے کسی خطے کا کوئی مسلمان، اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر بھی یہ یا نہیں وہ کسی سنت پر عمل کرتا ہے یا نہیں، اس سے قطع نظر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی برداشت نہیں کرے گا اور نہ کسی شخص سے یہ بات سننے کا روادار ہوگا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بات فرمائی ہے اور وہ خدا نخواستہ غلط ہے۔ دنیا کے کسی بھی حصے اور کسی بھی سطح کا کوئی مسلمان نہ تو قرآن کریم اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین گورا کرے گا اور نہ ہی ان کی کسی بات کی تغلیط برداشت کرے گا، اسے ہماری زبان میں ایمان کہا جاتا ہے اور دنیا اسے کمٹنٹ کہتی ہے۔“ (ہفت روزہ ختم نبوة، جلد ۳۱ شمارہ ۴۰)

امیر عبدالقادر الجزائریؒ کا مسئلہ

محترم مولانا عبدالرحیم چاریاری صاحب نے اپنی کتاب ”نوازشات“ کے دوسرے باب کو ”جعلی مجاہد کی کتاب پر پیش لفظ“ کا عنوان دیا ہے۔ اس باب میں انہوں نے اپنی طرف سے کسی بات کا اضافہ نہیں کیا بلکہ حال ہی میں ’ہفت روزہ ضرب مومن‘ اور ’ماہنامہ الشریعہ میں شائع ہونے والے محترم مولانا مفتی ابوالبابہ شاہ منصور صاحب کے مضامین پیش کیے ہیں، جس میں انہوں نے لاہور کے معروف اشاعتی ادارے دارالکتاب سے شائع ہونے والی مشہور امریکی مصنف جان ڈبلیو کازر کی کتاب ”امیر عبدالقادر الجزائری۔ ایک سچے جہاد کی داستان“ پر نقد کرتے ہوئے امیر عبدالقادر الجزائریؒ کو جعلی مجاہد اور یہود و نصاریٰ کا گماشتہ لکھا ہے، اور ان مضامین کے ساتھ قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین چکوالی مرحوم و مغفور کے چھوٹے داماد حافظ زاہد حسین رشیدی صاحب کا تائیدی خط بھی درج ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا جو چاریاری صاحب محترم ماہنامہ الشریعہ میں شائع ہونے والے چشم کشا جوابی مضامین کو بھی درج کر دیتے اور فیصلہ قارئین پر چھوڑ دیتے، مگر افسوس کہ وہ تصویر کے صرف ایک ہی رخ کو دیکھنے اور دیکھانے کے عادی ہیں۔

الجزائر کے مشہور و معروف رہنماء امیر عبدالقادر الجزائریؒ ایک اصلی مجاہد تھے یا جعلی مجاہد، یہ جاننے کے لئے ان کی جدوجہد سے واقفیت حاصل کرنا از حد ضروری ہے، ہم سہولت اور معاملے کی تفہیم کیلئے جان ڈبلیو کازر کی کتاب ”امیر عبدالقادر الجزائری۔ ایک سچے جہاد کی داستان“ پر شیخ الحدیث حضرت مولانا علامہ عبدالقیوم حقانی مدظلہ کا ایک مختصر مگر جامع تبصرہ قارئین کی نظر کرتے ہیں.....

ماہنامہ القاسم کا تبصرہ

مولانا حقانی رقمطراز ہیں

”امیر عبدالقادر الجزائری (۱۸۰۷ء-۱۸۸۳ء) تحریک آزادی الجزائر کے عظیم مجاہد اور سرفروش قائد و راہنما تھے۔ انہوں نے انیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں الجزائر پر فرانس کے غاصبانہ قبضے کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور الجزائری قوم میں اسلامیت کی لہر دوڑادی۔ الجزائر کے مختلف قبائل کو متحد کیا اور ایک اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی۔ وہ تیرہ سال تک اس اسلامی مملکت کے امیر رہے۔ اس دوران انہوں نے کئی بار فرانسیسی افواج کو ناکوں چنے چبوائے، مگر اپنوں کی غداری کی وجہ سے انہیں بالآخر فرانس کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہونا پڑا، کچھ شرائط کے ساتھ معاہدہ ہوا اور امیر نے خود کو فرانسیسیوں کے حوالے کر دیا جنہوں نے اپنے وعدوں کے پاس داری نہ کرتے ہوئے انھیں برس ہا برس تک قید میں رکھا۔ پھر فرانس لے جائے گئے اور وہاں نظر بند رہے اور آخر ہا کر کے جلا وطن کر دیے گئے۔ عمر کا آخری حصہ دمشق میں گزارا تا آنکہ وقت آخر آ گیا۔

امریکی مصنف جان ڈبلیو کائزر کی یہ کتاب (اردو ترجمہ) اسی مرد جہاد کے سچے جہاد کی داستان ہے جس کے مطالعہ سے انسانی فکر و نظر کے تغیر و تبدیل اور ارتقا کا اندازہ ہوتا ہے اور پتہ چلتا ہے، مسلمان کس قدر سادہ اور اعتماد کرنے والا ہوتا ہے جبکہ اہل یورپ کس قدر عیار اور بدعہد ہوتے ہیں۔ وہ معاہدوں کی پاس داری نہیں کرتے، بلکہ معاہدے کرتے ہی اس لیے ہیں کہ انہیں توڑا جائے اور کمزور کی بے بسی اور بے سروسامانی کے مزے لیے جائیں۔

یہ کتاب انسانی زندگی کے نشیب و فراز کی کہانی ہے کہ جوانی میں انسانی رگوں میں خون نہیں، سیال فولاد دوڑتا ہے۔ وہ پہاڑوں سے ٹکراتا اور سمندروں کو پھلانگتا ہے، مگر جب عمر ڈھلتی ہے تو پھر اس کی سوچ بدل جاتی ہے اور پھر کچھ ایسا کرنا چاہتا ہے جس سے دوسروں کو سکھ اور چین میسر آئے۔ امیر عبدالقادر نے جب فرانس کی بھرپور حربی طاقت کے مقابلے میں اپنی فوجی قوت کا جائزہ لیا تو مکمل تباہی کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ ایسے وقت میں انہوں نے

ایک دانش مندانہ فیصلہ کیا اور اپنے ہم وطنوں اور ساتھیوں کو مروانے کے بجائے زندہ رکھنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے اپنی قیمت پر اپنی قوم کو زندگی دی۔ ایک دانش مند قائد کی یہی نشانی ہوتی ہے کہ وہ اپنی فکر کی بجائے قوم کے مستقبل کی فکر کرتا ہے۔

کتاب کا مطالعہ بتاتا ہے کہ مسلمانوں نے جب بھی اہل یورپ سے شکست کھائی، اپنے ہی گھر کے چراغوں کی غداری سے کھائی اور یہ بھی کہ یورپی ممالک کس طرح دوسرے ممالک کے قائدین، تحریکوں اور نظریات کے بارے میں اپنی عوام کو اندھیرے میں رکھ کر جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ کتاب یورپی اور مغربی نفسیات کا پتہ دیتی ہے۔ یہ کتاب بتاتی ہے کہ تاریخ میں ”امیر عبدالقادر“ کی صورت میں رہ کر بھی زندہ رہا جاسکتا ہے اور مسلمان صرف مسلمانوں کا ہی نہیں، انسانوں کا خیر خواہ ہوتا ہے۔

ایک وہ وقت تھا جب امیر یورپ کی نظروں میں وقت کے سب سے بڑے دہشت گرد تھے اور جب انہوں نے دمشق میں قیام کے دوران مسلم عیسائی فسادات میں پندرہ ہزار عیسائیوں کی جانیں بچائیں تو انہیں امن کا عظیم علمبردار اور دیوتا قرار دے دیا گیا۔

یہ کتاب معروضی حالات سے آنکھیں بند کر کے محض جوش سے کام لینے والے روایتی دوستوں کو شاید پسند نہ آئے، مگر سعید روحوں کے لئے اس میں بڑے سبق ہیں۔ سب سے بڑا سبق یہ ہے کہ جب حالات موافق نہ ہوں تو خود کو اور اپنی قوم کو بچالینا سب سے بڑی بہادری ہوتی ہے۔ امیر صرف جنگجو رہنما ہی نہ تھے، ایک جید عالم دین اور صوفی بزرگ بھی تھے۔ ان کے یہ الفاظ ہم سب کے لئے بالعموم اور وراثت پیغمبر کے حاملین کے لیے خاص پیغام رکھتے ہیں:

”پیغمبر ایک دوسرے کی تردید نہیں کرتے، کم از کم بنیادی اصولوں کی حد تک تو نہیں کرتے۔ ان سب کا ایک ہی پیغام ہے کہ اللہ کی بڑائی بیان کرو اور مخلوق کے ساتھ رحم دلی سے پیش آؤ۔“ (ص: ۳۸۵)

اہل علم کو سوچنا چاہیے کہ کیا واقعی ان کے شب و روز اپنے ہی لوگوں کی تردید و تغلیط میں نہیں جارہے؟ اس کتاب کا مقدمہ مولانا زاہد الراشدی صاحب نے لکھا ہے اور امیر کا

تعارف کروایا ہے جو بجائے خود ایک معرکہ الآ را مقالہ ہے۔ دارالکتب کے حافظ محمد ندیم صاحب نے یہ کتاب شائع کر کے ایک کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ ”القاسم“ محسوس کرتا ہے کہ اگر کتاب کا مطالعہ اس کی روح کے مطابق کیا جائے تو ذہنوں میں انقلاب آئے گا جو آج کے دور میں امت مسلمہ کے لیے بہت مفید ثابت ہوگا۔ بہ حیثیت مسلمان ہمیں سوچنا ہوگا کہ ہر ایک سے جنگ و جدل، مخالفت اور مخالفت نے ہمیں کیا دیا ہے؟ کہا ہم ”مسلمان“ بن کر نہیں رہ سکتے؟“۔ (ماہنامہ الشریعہ گوجرانوالہ، مئی ۲۰۱۳ء)

چند اصولی گزارشات

کائرہ کی کتاب ”امیر عبدالقادر الجزائری۔ ایک سچے جہاد کی داستان“ پر مباحثہ کا بازار رواں برس گرم ہی رہا ہے، اس لیے احباب فریقین کا موقف بآسانی حاصل کر سکتے ہیں، یہاں اس سلسلہ میں ہم صرف چند اصولی باتوں کے بیان پر ہی اکتفاء کریں گے۔

☆ امیر عبدالقادر الجزائریؒ کے تعارف اور ان کے کردار کو سراہنے کے حوالے سے جان ڈبلیو کائرہ کی مذکورہ کتاب (اردو ترجمہ) برصغیر کی سطح پر کوئی اولین کاوش نہیں ہے، بلکہ اردو زبان کے مشہور و معروف اور انتہائی ضخیم و مستند انسائیکلو پیڈیا ”اردو دائرہ معارف اسلامیہ“ کی بارہویں جلد میں ”عبدالقادر بن محی الدین“ کے زیر عنوان ایک تحقیقی مقالہ موجود ہے، جس میں امیر الجزائریؒ کو بطور امیر المومنین اور عظیم مرد مجاہد پیش کیا گیا ہے، اس انسائیکلو پیڈیا کی بارہویں جلد کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۳ء میں شائع ہوا ہے، یاد رہے کہ ”اردو دائرہ معارف اسلامیہ“ پاکستان میں تقریباً ہر بڑی لائبریری کی زینت ہے۔

☆ مفکر اسلام علامہ زاہد الراشدی صاحب کو مذکورہ کتاب کے تمام مندرجات سے کلی طور پر اتفاق نہیں ہے اور نہ ہی انہوں نے اس کتاب کو حرف آخر قرار دیا ہے، کتاب میں امیر عبدالقادر الجزائریؒ سے منسوب بعض باتیں غیر معتبر ہیں جن پر کتاب کے مصنف جان ڈبلیو کائرہ کے فکر و فلسفہ کی چھاپ ہے، جن میں سے ایک بات کا تذکرہ تو مولانا راشدی نے اسی کتاب پر لکھے گئے ”پیش لفظ“ میں بھی کر دیا ہے، علامہ راشدی لکھتے ہیں

”امیر عبدالقادر الجزائری کو شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کا پیروکار، ان کے علوم کا شارح اور ان کے فلسفہ وحدت الوجود کا قائل ہونے کی وجہ سے ان کے فکر کے ڈانڈے ”وحدت ادیان“ کے تصور سے ملانے کی کوشش کی گئی (جس کی جھلک جان کائر کی زیر نظر کتاب میں بھی دیکھائی دیتی ہے)، حالانکہ وحدت الوجود اور وحدت ادیان میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور شیخ اکبرؒ کے نظریہ وحدت الوجود کا مطلب وحدت ادیان ہرگز نہیں ہے۔“

☆ کسی معروف شخصیت کے بارے میں دو آراء کا پایا جانا کوئی ان ہونی بات نہیں ہے، ماضی میں ہمیں ایک نہیں ہزاروں ایسی شخصیات ملتی ہیں جن کے بارے میں بیک وقت رد و دفاع کا بازار گرم رہا ہے۔ خود جامعہ نصرت العلوم سے متعلق روایت ہے کہ علم حدیث کے اولین مدونین میں سے بلند پایہ امام زہریؒ پر شیعیت کے الزام کے رد میں استاذ العلماء حضرت مولانا محمد فیاض خان سواتی صاحب مہتمم جامعہ نے ماہنامہ نصرۃ العلوم ربیع الاول ۱۴۱۸ھ بمطابق ۱۹۹۷ء کے شمارہ میں ایک مفصل و مدلل مضمون تحریر فرمایا جس پر امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ نے نہ صرف یہ کہ انتہائی مسرت کا اظہار فرمایا بلکہ استاذ محترم کو پانچ صد روپیہ انعام بھی مرحمت فرمایا جبکہ اسی جامعہ میں استاذ الحدیث حضرت مولانا علامہ عبدالقیوم ہزارویؒ صاحب نے اس پر خفگی کا اظہار فرمایا کیونکہ مولانا ہزارویؒ اپنے اسباق میں امام زہریؒ کو شیعوں کا کارندہ کہا کرتے تھے۔

پھر ایسی شخصیت جس کا تعلق سیاسیات سے ہو اس کا معاملہ تو اور بھی زیادہ سنگین ہوا کرتا ہے۔ ہمارے اکابر علمائے دیوبند میں سے محدث العصر حضرت اقدس مولانا علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے ”یتیمۃ البیان“ میں امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ کو ملحد اور زندیق لکھا ہے اور ”عقیدہ نزول مسیح علیہ السلام“ میں امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو نزول مسیح کا منکر لکھا ہے، جبکہ ہمارے حضرات شیخین کریمینؒ یعنی محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ اور مفسر اعظم پاکستان حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ مولانا سندھیؒ اور مولانا آزادؒ کے بڑے مداح رہے ہیں، شخصیات کے بارے میں دو آراء کا پایا جانا

تاریخ کی کتب میں ایک معمول کی بات ہے، اس سلسلہ میں مفکر اسلام حضرت علامہ راشدی فرماتے ہیں کہ ”امیر عبدالقادر الجزائری کی شخصیت اور کردار سے متعلق اختلاف کا تعلق تاریخ سے ہے، فقہ و عقائد کے باب سے نہیں۔ جن حضرات کے نزدیک وہ روایات قابل قبول ہیں، جو ان کے بارے میں پھیلائی گئی ہیں، وہ ان کے بارے میں جو چاہیں رائے قائم کریں، مگر ہمارا موقف یہ ہے جب الجزائری قوم انہیں اپنا ہیرو سمجھتی ہے، ان کے معاصر عظیم مجاہد امام شاملؒ ان کے مجاہدانہ کردار کو تسلیم کرتے ہیں اور عرب دنیا میں انہیں انتہائی عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے تو ہم بھی انہیں وہی مقام دیتے ہیں اور اس کردار کے خلاف افسانہ قصوں اور قیاس آرائی پر مبنی بدگمانیوں کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں (اور اس معاملے میں ہم اپنے موقف کو اس بناء پر نہیں چھوڑ سکتے کہ اس سے مغرب کے کسی نظریے کی تائید ہوتی ہے)۔ (ماہنامہ الشریعہ، اگست ۲۰۱۳ء)

☆ مفکر اسلام حضرت مولانا علامہ زاہد الراشدی صاحب فرماتے ہیں کہ ”ہمارے ہاں بدقسمتی سے یہ مزاج پختہ ہوتا جا رہا ہے کہ رائے کا اختلاف، تحقیق سے پیدا ہونے والا اختلاف اور علمی مسائل میں تحقیق و تجزیہ کا معاملہ ذاتی پسند و ناپسند اور مخالفت کی صورت اختیار کر جاتا ہے اور ہم جس سے کسی مسئلہ پر اختلاف کرتے ہیں، اسے کسی نہ کسی دشمن کا ایجنٹ اور گماشتہ قرار دیے بغیر خود اپنے موقف کی سچائی پر ہمارا اعتماد قائم نہیں ہوتا۔

تحریک پاکستان میں قیام پاکستان کی حمایت و مخالفت میں دونوں طرف ہمارے بزرگ تھے اور ارباب علم و فضل تھے، مگر اس دور کا لٹریچر ایسے الزامات سے بھرا پڑا ہے جس میں ایک جانب کے بزرگوں کو ہندوؤں کا ایجنٹ کہا گیا اور دوسری طرف کے بزرگوں کو انگریزوں کا آلہ کار قرار دیا گیا ہے۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے موقع پر ذوالفقار علی بھٹو مرحوم نے ”اسلامی سوشلزم“ کا نعرہ لگایا جس پر بہت سے بزرگوں نے کفر کا فتویٰ صادر کر دیا۔ اس فتویٰ سے حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ، حضرت مولانا مفتی محمود اور دیگر سینکڑوں علماء کرام نے اختلاف کیا کہ اسے اصطلاح و تعبیر کی غلطی تو کہا جاسکتا ہے، مگر اسے کفر قرار دینا درست

نہیں ہے۔ اس اختلاف پر ہمارے ان بزرگوں کو ”سوشلسٹ علماء“، ”سرخ ملا“ اور کمیونسٹوں کے ایجنٹ کے جن خطابات سے نوازا گیا، اس کی بھرمار کی ایک جھلک اس دور کے دینی جرائد میں دیکھی جاسکتی ہے۔

ابھی چند سال قبل حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی نے اسلامی بینکاری کے بارے میں اپنا اجتہادی نقطہ نظر پیش کیا تو اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک سمینار میں ملک کے ایک مقتدر دانش ور نے ان کے نقطہ نظر سے اختلاف کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ وہ عالمی یہودی سرمایہ داروں کے ایجنٹ کا کردار ادا کر رہے ہیں جس پر میں نے اسی محفل میں اس طرز عمل سے اختلاف کیا کہ کسی علمی اختلاف پر اس قسم کا رویہ اختیار کرنا درست نہیں ہے اور الزام تراشی اور طعن و تشنیع کی زبان قطعی طور پر علمی زبان نہیں ہے، مگر یہ رویہ جو قطعی طور پر غیر علمی اور غیر شریفانہ طرز عمل ہے، ہمارے ہاں مزید پختہ ہوتا جا رہا ہے اور اسے ہمارے بعض جرائد پروان چڑھانے میں فخر محسوس کر رہے ہیں“ (ماہنامہ الشریعہ، مئی ۲۰۱۳ء)۔ ہم یہ کہتے ہوئے کوئی عار محسوس نہیں کرتے کہ امیر عبدالقادر الجزائری بڑی حد تک ہمارے اسی کلچرل مزاج کی بھینٹ چڑھے ہیں۔

علامہ راشدی کا دعوت مباحثہ

☆ بالفرض اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ مخدوم و محترم و مکرم حضرت مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب حق بجانب اور مولانا راشدی غلطی پر ہیں تو انہوں نے اس دعوت مباحثہ کا جواب کیوں نہیں دیا جو مولانا راشدی نے مفتی صاحب کو ماہنامہ الشریعہ جون ۲۰۱۳ء کے شمارہ میں دی تھی۔ ”الشریعہ“ بنام ”ضرب مومن“ کے دو اقتباسات ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں، مولانا راشدی فرماتے ہیں کہ ”محترم مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب کے تازہ ارشادات (اسلام میں) قارئین نے پڑھ لیے ہوں گے۔ میری نظر سے بھی گزر چکے ہیں۔

میں اس سلسلہ میں ایک تجویز پیش کرنا چاہوں گا کہ زیر بحث مسائل پر ایک علمی مباحثہ کھلے دل و دماغ کے ساتھ ہو جانا چاہیے جس کے خدو خال میرے ذہن میں کچھ اس طرح

سے ہیں کہ:

○ مفتی صاحب موصوف الشریعہ اکادمی اور ماہنامہ الشریعہ کے حوالے سے اپنے اشکالات مرتب شکل میں پیش فرمادیں، الشریعہ کی طرف سے ان کی وضاحت کی خدمت میں سرانجام دے دوں گا۔

○ ان اشکالات اور میری طرف سے ان کی وضاحت کے بعد اگر کچھ باتیں دونوں طرف سے وضاحت طلب ہوں تو اس مکالمہ کو آگے بھی بڑھایا جاسکتا ہے۔

○ روزنامہ ”اسلام“ یا ہفت روزہ ”ضرب مومن“ میں سے کسی ایک کو مکالمہ کے لیے منتخب کر لیا جائے تاکہ قارئین کو دونوں طرف کا موقف ایک جگہ پڑھنے کی سہولت مل جائے۔

○ مکالمہ دوستانہ ماحول میں باہمی افہام و تفہیم اور قارئین کی درست سمت رہنمائی کی غرض سے ہو اور زبان و اسلوب میں امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر کے طرز کی پابندی کی جائے۔

○ اس مکالمہ کے نتیجے میں فریقین میں سے جس کسی کی کوئی غلطی سامنے آجائے، وہ اس سلسلہ میں رجوع و معذرت سے گریز نہ کرے۔

میرے خیال میں اس بحث کو مثبت انداز میں سمیٹا جاسکتا ہے اور علما و طلبہ کے ایک بڑے حلقے میں پائے جانے والے اضطراب کو دور کیا جاسکتا ہے۔ امید ہے کہ محترم مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب میری اس تجویز کے مثبت جواب اور اپنی تجاویز سے جلد نوازیں گے۔“

علامہ راشدی مزید لکھتے ہیں کہ ”میں سمجھتا ہوں کہ بے بنیاد الزامات اور یک طرفہ پراپیگنڈے کا یہ رویہ ایک ذمہ دار دینی ادارے کی طرف سے شائع ہونے والے اخبار کو کسی بھی لحاظ سے زیب نہیں دیتا اور اخبار کی انتظامیہ کو اپنی اس پالیسی پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔ بہر حال میں سنجیدہ مباحثہ کی پیش کش پر اب بھی قائم ہوں اور (۱) غامدی صاحب کے افکار (۲) ناموس رسالت کے قانون (۳) مسجد اقصیٰ کی تولیت (۴) عمار ناصر کی مبینہ انفرادی آرا اور (۵) امیر عبدالقادر الجزائری سمیت ہر اس مسئلہ پر کھلے دل کے ساتھ بحث

و مباحثہ کے لئے تیار ہوں جس کی نشان دہی مفتی ابولبابہ صاحب فرمائیں گے اور ہماری طرف سے مفتی صاحب محترم کی کسی تحریر پر اشکال کی کوئی بات ہوگی تو مفتی صاحب کو بھی اسی طرح کھلے دل کے ساتھ تیار رہنا چاہیے، مگر اس کے لیے یہ ضروری ہوگا کہ:

○ مفتی صاحب بحث و مباحثہ کی اخلاقیات اور گفتگو کے ضروری آداب کی پابندی قبول کریں۔

○ اگر یہ بحث ”اسلام“ یا ”ضرب مومن“ کے صفحات پر ہونی ہے تو یہ دونوں دینی جرائد اپنی ایک طرفہ پالیسی پر نظر ثانی کریں، جس کا شرعاً، دیناً اور اخلاقاً کوئی جواز نہیں۔ بصورت دیگر اس مقصد کے لئے ”الشریعہ“ کے صفحات حاضر ہیں۔“

حضرت مفتی صاحب نے اس تحریر کا کوئی بھی جواب نہیں دیا، اگر ہم اس پر کوئی تبصرہ کر دیں تو محترم مفتی ابولبابہ شاہ صاحب اور چاریاری صاحب سمیت علامہ راشدی کے دیگر ناقدین کے لیے ہضم کرنا بہت مشکل ہو جائے گا، تحمل اور برداشت کے فقدان کی وجہ سے ہم اسے بلا تبصرہ ہی چھوڑ رہے ہیں۔

علامہ راشدی پر ”قادیانیت نوازی“ کا بہتان عظیم

مولانا عبدالرحیم چاریاری صاحب نے کتاب ”نوازشات“ کے تیسرے باب کو ”علامہ زاہد الراشدی صاحب کی قادیانیت نوازی“ کا عنوان دیا ہے۔ چاریاری صاحب پر مخالفت کا جنون اس حد تک سوار ہے کہ انہوں نے ایک ایسے شخص پر قادیانیت نوازی کا بہتان باندھا ہے کہ جس کی قادیانیت کے تعاقب، سد باب اور عقیدہ ختم نبوت کے محاذ پر اس قدر خدمات ہیں کہ جس پر تبصرہ کرنا بھی سورج کو چراغ دیکھانے کے مترادف ہے۔ جی ہاں! انہوں نے مولانا زاہد الراشدی کو قادیانیت نواز لکھا ہے، جنہوں نے اس موضوع پر ہزاروں خطبات و محاضرات دئے اور سینکڑوں مضامین لکھے ہیں، جنہوں نے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے کئی کئی ماہ متعدد مرتبہ جیل کاٹی اور تحریک ختم نبوت میں قابل قدر کردار ادا کیا ہے۔ جنہوں نے اس سلسلہ میں بیسیوں غیر ملکی اور بے شمار ملکی اسفار کئے ہیں۔ لیکن ہمارے مخدوم چاریاری

صاحب نے عقیدہ ختم نبوت کے محاذ پر علامہ راشدی کی وقیع علمی، فکری اور تحریکی خدمات کو پس پشت ڈالتے ہوئے انتہائی ضعیف بلکہ موضوع روایت کا سہارا لیکر حضرت والا کو قادیانیت نواز لکھ دیا۔

جناب چاریاری صاحب رقمطراز ہیں کہ ”امام اہل سنتؒ نے قادیانیت کے خلاف بھرپور جہاد کیا جبکہ علامہ راشدی صاحب نے پسرور کے مشہور قادیانی قاضی عطاء کے اردو منظوم ترجمہ قرآن ”مفہوم القرآن“ پر تقریظ لکھ کر شیع رسالت کے پروانوں کے دل میں شدید ٹھیس پہنچائی ہے۔“

جن صاحب کو چاریاری صاحب قادیانی بتلا رہے ہیں، ان سے متعلق ذیل میں مفکر اسلام علامہ راشدی کا ایک خط من و عن شائع کیا جا رہا ہے، جو بعض اصحاب علم کے استفسار پر انہوں نے اس اعتراض کے جواب میں اور حقائق کو کھولنے کے لیے تحریر فرمایا تھا۔ یہ خط ماہنامہ نصرت العلوم دسمبر ۲۰۰۹ء کے شمارہ میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ معترضین کے لیے نہایت چشم کشا خط ہے اور تازیانہ عبرت بھی ہے ان لوگوں کے لیے جو سنی سنائی بات کے سہارے کفر کا فتویٰ لگانے دروغ نہیں کرتے، ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ راشدی کا ایک چشم کشا خط

باسمہ تعالیٰ

محترمی حضرت مولانا اللہ یار خان صاحب و حضرت مولانا سید عبدالملک شاہ صاحب زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی؟

آپ دونوں بزرگوں نے قاضی عطاء اللہ صاحب پسروری کے بارے میں ایک استفسار میرے سپرد کیا تھا کہ میں اس کے بارے میں کچھ عرض کروں، چونکہ قاضی صاحب کے منظوم ترجمہ قرآن ”مفہوم القرآن“ پر اعتراضات کے حوالہ سے اس پر میری تقریظ بھی موضوع بحث ہے اس لئے میں اس کے بارے میں اب تک کی صورت حال اور اپنا موقف آپ کی خدمت میں تحریری طور پر پیش کر رہا ہوں۔

قاضی عطاء اللہ صاحب سے میرا کوئی پیشگی تعارف نہیں تھا، انہوں نے جب اس منظوم ترجمہ کی پہلی جلد شائع کی تو میرے پاس آئے اور کہا کہ میں اس کے بارے میں کچھ تحریر کر دوں میں نے وہ کتاب لے کر رکھ لی اور لکھ کر بھیجنے کا وعدہ کر لیا، اس قسم کے معاملات میں میرا ہمیشہ سے معمول یہ رہا ہے کہ اگر خود میرا تعارف نہ ہو تو مقامی علماء کرام سے رابطہ کرتا ہوں اور ان کے مشورہ کی روشنی میں قدم اٹھاتا ہوں، اس وقت حضرت مولانا رشید احمد پسروریؒ زندہ تھے ایک موقع پر میں نے ان سے ملاقات کے موقع پر دریافت کیا تو انہیں نے اطمینان کا اظہار کیا کہ قاضی عطاء اللہ صاحب صحیح العقیدہ مسلمان ہیں چنانچہ اس تصدیق کے بعد میں نے دو چار مقامات سے اس منظوم ترجمہ کو دیکھ کر وہ تقریظ لکھ دی جو اس میں شائع ہو چکی ہے۔

اس کے کچھ عرصہ کے بعد مجھے توجہ دلائی گئی کہ یہ قاضی صاحب موصوف مبینہ طور پر قادیانی ہیں اور اپنے ترجمہ میں بھی انہوں نے قادیانی تحریفات کا راستہ اختیار کیا ہے اس لئے مجھے اپنی تقریظ سے دست برداری اختیار کر لینا چاہیے، اس پر میں نے یہ عرض کیا کہ جو اعتراضات ہیں وہ تحریری صورت میں دیے جائیں اگر درست ہوئے تو مجھے اپنی تحریر واپس لینے میں کوئی تا مل نہیں ہوگا، اس کے ساتھ ہی میں نے پسرور کے علماء کرام سے دوبارہ رابطہ قائم کیا بلکہ خود پسرور گیا اور مختلف علماء کرام سے اس بارے میں دریافت کیا اور ان کی طرف سے یہی جواب ملا کہ قاضی عطاء اللہ صاحب کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ قادیانی ہیں درست نہیں ہے جبکہ ان کے بارے میں تحریری اعتراضات میں نے برادر م مولانا مشتاق احمد چنیوٹی کے سپرد کئے کہ وہ ان پر تبصرہ تحریر فرمائیں مگر انہوں نے جو تبصرہ تحریر فرمایا مجھے اس سے اطمینان حاصل نہ ہوا اور میں نے خود مولانا مشتاق احمد صاحب سے عرض کیا کہ میں ان کی تحریر سے مطمئن نہیں ہوں اس لئے کہ ان کے تبصرہ کی بنیاد محتملات پر ہے اور کسی شخص کو قادیانی قرار دینے یا اس پر کفر کا فتویٰ عائد کرنے کے لئے محتملات کافی نہیں ہوتے اس کے لئے تصریحات کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس دوران جماعت ”الدعوة“ پاکستان کے ترجمان ہفت روزہ ”غزوہ“ لاہور میں یکم

تا ۷ دسمبر ۲۰۰۶ء کی اشاعت میں یہ خبر شائع ہوئی کہ قاضی عطاء اللہ نامی ایک قادیانی شخص پسرور میں قرآن کریم کا تحریف شدہ ترجمہ تقسیم کر رہا ہے، جس کے بعد اسی ہفت روزہ ”غزوہ“ کے ۷ تا ۱۳ دسمبر ۲۰۰۶ء کی اشاعت میں یہ خبر شائع ہوئی کہ ”مفہوم القرآن (منظوم) اردو کے مصنف عطا قاضی اپنے تینوں بیٹوں کے ہمراہ غزوہ کے دفتر میں آئے اور قادیانیت سے علی الاعلان برأت کا اظہار کیا اور کہا کہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین تسلیم کرتا ہوں مرزا قادیانی کو کذاب مانتا ہوں، ختم نبوت پر مکمل یقین رکھتا ہوں، مرزا غلام احمد کو نہ نبی مانتا ہوں اور نہ مجدد تسلیم کرتا ہوں۔“

اس کے بعد قاضی عطاء اللہ مذکور نے اپنے لیٹر پیڈ پر ایک تحریر لکھ کر پسرور کے علماء کرام کے سامنے پیش کی جس میں یہ درج ہے کہ

”خدا تعالیٰ کی وحدانیت، رسول مقبول ﷺ کی رسالت اور ان کی ختم نبوت پر دل و جان سے کامل ایمان رکھتا ہوں اور محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی ظلی اور بروزی نبی کو مفتری اور کذاب جانتا ہوں اور مانتا ہوں اور میرا مرزا غلام احمد قادیانی سے اور اس کی قادیانی جماعت سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے۔“

اس تحریر پر ان کے مسلمان ہونے کی پسرور کے جن علماء کرام نے تحریری تصدیق کی ہے ان میں حضرت مولانا رشید احمد پسروریؒ کے دونوں صاحبزادے مولانا بلال احمد اور مولانا مفتی محمد نعمان کے علاوہ مولانا حافظ محمد سرور، جمعیت علماء اسلام ضلع سیالکوٹ کے امیر مولانا قاری غلام فرید اعوان، جامعہ اسلامیہ پسرور کے مہتمم مولانا محمد شفیق، جامعہ نعیمیہ رضویہ پسرور کے شعبہ افتاء کے انچارج مولانا جمیل احمد ہدایتی پسروری اور مرکزی جمعیت اہل حدیث ضلع سیالکوٹ کے ناظم حافظ کفایت اللہ شا کر شامل ہیں، یہ سب تحریریں میں نے خود دیکھی ہیں اور میرے پاس ان کی فوٹو کاپی موجود ہے۔

اس کے ساتھ ہی قاضی عطاء اللہ مذکور نے حیات عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اپنے عقیدہ کی وضاحت اپنے لیٹر پیڈ پر تحریر کی ہے جو تفسیر مظہری کے حوالہ سے ہے اور اس میں

”آیت کریمہ“ ”انسی متوفیک“ کے حوالہ سے مفسرین کرامؒ کے مختلف اقوال کا تذکرہ کر کے ان کا محاکمہ کیا گیا ہے اور اس کا اختتام اس جملہ پر ہوتا ہے کہ

”لہذا صوفی سے مراد بغیر موت آسمان پر اٹھالینا ہے کیونکہ دوسری آیت میں آیا ہے کہ وما قتلوه وما صلبوه، نہ انہوں نے عیسیٰؑ کو قتل کیا اور نہ صلیب دی، وجدان شاہد ہے کہ اگر اٹھائے جانے سے پہلے عیسیٰؑ کی موت کی نفی تسلیم نہ کی جائے تو نفی قتل کی صراحت کا کیا فائدہ؟ قتل کا نتیجہ بھی تو موت ہی ہے۔“

ان تصریحات کے بعد پورے شرح صدر اور اطمینان کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ قاضی عطاء اللہ مذکور یا ان کے بیٹوں کو جو تمام معاملات میں اپنے باپ کے ساتھ ہیں قادیانی قرار دینا اور ان پر کفر کا فتویٰ عائد کرنا شرعاً یا اخلاقاً کسی طرح بھی درست نہیں ہے اور اگر ان کی تحریر میں کوئی جملہ اس سے ہٹ کر کسی دوسرے معنی کا احتمال بھی رکھتا ہے تو اسے اس صراحت اور اقرار کی روشنی میں اسی معنی پر محمول کیا جانا چاہیے البتہ ان سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس ابہام کو اس کتاب میں ہی دور کر دیں اور اگلے ایڈیشن میں اس کی وضاحت کر دیں اس استفتاء کے حوالہ سے آپ دونوں بزرگوں کی تشویش کی وجہ سے میں اس کے بعد دوبارہ ۱۸ نومبر ۲۰۰۷ء کو خود پسور گیا ہوں اور وہاں کے بعض علماء کرام سے اس سلسلہ پر بات کی ہے اور انہیں اپنے سابقہ موقف پر مطمئن پایا ہے، اس لئے میں قاضی عطاء اللہ پسوری کے منظوم ترجمہ قرآن کریم ”مفہوم القرآن“ پر لکھی گئی اپنی تقریظ پر قائم ہوں اور اس پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

شکریہ والسلام

ابوعمار زاہد الراشدی خطیب، مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ

۱۹/۱۱/۲۰۰۷ء

ان واضح تصریحات کے بعد بھی چاریاری صاحب عطاء اللہ قاضی صاحب کو قادیانی کہنے پر مصر اور بضد ہیں تو اس کی دو ہی ممکنہ وجوہات معلوم ہوتی ہیں، یا تو وہ وحی کے انتظار میں ہیں

کہ وحی آئے گی اور عطاء قاضی کے ایمان پر گواہی ثبت کرے گی اور تب ہی وہ مانیں گے اور یا پھر انہوں نے قسم اٹھا رکھی ہے کہ وہ بہر صورت عطاء قاضی کو مسلمان ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اور ان دونوں صورتوں میں ہم ان کے لیے دعائے ہدایت کے سوا اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔

کیا عطاء اللہ قاضی، قادیانی ہیں؟

ماہنامہ الشریعہ ستمبر ۲۰۱۱ء کے شمارہ میں مفکر اسلام علامہ راشدی نے ”دینی جدوجہد اور اس کی اخلاقیات“ کے عنوان سے اپنی طرف منسوب ”قادیانیت نوازی“ کی داستان پیش کی، اس مضمون کے دو اقتباس بھی ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں۔

”اس (عطاء اللہ قاضی صاحب کی ”مفہوم القرآن“ پر چند سطری تقریظ لکھنے) پر بعض دوستوں کی طرف سے اعتراض ہو کہ میں نے ایک قادیانی کی تفسیر قرآن کریم پر تقریظ لکھ دی ہے۔ صرف اعتراض نہیں ہوا بلکہ ملک بھر میں اس کی خوب تشہیر کی گئی، چنانچہ مختلف شہروں سے مجھے فون آنے لگے، بلکہ عام حلقوں میں تقسیم کیے جانے والے ایک پمفلٹ میں اس اعتراض کا ذکر کیا گیا جس پر میں نے قاضی عطاء اللہ موصوف سے رابطہ کیا تو وہ ایک بڑی فائل لے کر میرے پاس آ گئے جو ان کے قادیانی ہونے کے اخباری پراپیگنڈا اور ان کی طرف سے جوابات پر مشتمل تھی اور ان کا ایک حلف نامہ بھی اس میں شامل تھا جس میں پوری وضاحت سے کہا گیا ہے کہ وہ صحیح العقیدہ مسلمان ہیں اور قادیانی نہیں ہیں۔ اس حلف نامہ میں انہوں نے اپنے عقائد کا بھی دو ٹوک انداز میں ذکر کیا ہے اور اس پر پسرور کے دیوبندی، بریلوی اور اہلحدیث مکاتب فکر کے معروف علماء کرام کی تصدیقات ہیں۔ اس کے بعد ایک موقع پر میں پسرور گیا تو مختلف علماء کرام سے براہ راست بھی اس مسئلہ پر بات کی۔ انھوں نے پورے اطمینان کے ساتھ بتایا کہ قاضی صاحب موصوف پر قادیانی ہونے کا الزام غلط ہے اور وہ صحیح العقیدہ مسلمان ہیں۔ اس کے باوجود نہ صرف پراپیگنڈا مہم جاری رہی بلکہ مسلسل لائٹنگ بھی ہوتی رہی، چنانچہ ہمارے اپنے مدرسہ جامعہ نصرت العلوم گوجرانوالہ کے دو بزرگ اساتذہ حضرت مولانا سید عبدالملک شاہ صاحب اور حضرت مولانا اللہ یار خان

صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے اس کی تحریری وضاحت طلب کی اور تقاضا کیا کہ میں قاضی عطاء اللہ موصوف کی کتاب ”مفہوم القرآن“ پر اپنی تقریظ سے رجوع کا اعلان کروں۔ اس پر میں نے ایک مرتبہ پھر پسرور کے علماء کرام سے رابطہ کیا مگر صورت حال میں کوئی تبدیلی نہ پا کر تقریظ واپس لینے سے معذرت کر دی اور دونوں بزرگوں کو تحریری طور پر اصل صورت حال اور اپنے موقف سے آگاہ کر دیا۔“

چار یاری صاحب نے عطاء اللہ قاضی صاحب موصوف کو قادیانی لکھ کر پسرور کے جید علماء کرام کے حوالے سے شدید بد اعتمادی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اور صرف مولانا راشدی ہی کیوں؟ چار یاری صاحب پسرور کے ان علماء کرام پر جو عطاء اللہ قاضی صاحب کو صحیح العقیدہ مسلمان بتلا رہے ہیں ان پر ”قادیانیت نوازی“ کی پھبتی کیوں نہیں کستے؟۔ جس طرح انہوں نے مولانا راشدی کو قادیانیت نواز لکھ کر دین کی بہت بڑی خدمت کی ہے اسی طرح پسرور کے تمام علماء کرام کو قادیانیت نواز لکھ کر بارگاہ خداوندی میں سرخرو ہو جائیں۔ خدا کرے زور قلم اور زیادہ۔

مفکر اسلام علامہ راشدی مزید فرماتے ہیں کہ ”پاکستان شریعت کونسل میں میرے قریب کے ساتھیوں سے رابطہ کیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ وہ مجھے اپنے موقف پر نظر ثانی کے لئے کہیں۔ مولانا عبدالحق خان بشیر میرے حقیقی بھائی ہیں اور پنجاب شریعت کونسل کے امیر ہیں جبکہ لاہور باغبان پورہ کے مولانا قاری جمیل الرحمان اختر میرے حقیقی بھائیوں کی طرح ہیں اور مرکزی شریعت کونسل کے ڈپٹی سیکرٹری جنرل ہیں۔ دونوں حضرات میرے پاس الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ میں تشریف لائے اور اس مسئلے پر مجھ سے تفصیلی بات کی۔ میں نے گزارش کی کہ مجھے اپنے موقف پر اس قدر اصرار نہیں ہے کہ اس پر کسی کی بات نہ سنوں۔ آپ دونوں حضرات خود پسرور تشریف لے جائیں اور اپنے طور پر وہاں کے علماء کرام سے بات کر کے تحقیق کریں۔ اس کے بعد آپ دونوں حضرات جو بھی کہیں گے، میں اسے قبول کرنے کے لیے تیار ہوں، چنانچہ یہ دونوں حضرات پسرور تشریف لے گئے اور اپنے طور پر صورت حال معلوم کی۔ واپسی پر انہوں نے جو رپورٹ پیش کی، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قاضی عطاء اللہ

صاحب کو قادیانی قرار دینے کی بات تو درست نہیں ہے، البتہ ان کی اس کتاب کے بعض مندرجات پر اشکالات ہیں اور ان سے یہ سمجھا جا رہا ہے کہ ان عبارات سے قادیانیوں کی بعض باتوں کی حمایت کا تاثر ملتا ہے۔ ان کی اگر وضاحت ہو جائے تو مناسب ہوگا۔ اس حوالے سے قاضی صاحب سے میری بات اس سے قبل بھی ہو چکی تھی اور انہوں نے صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ وہ عالم دین نہیں ہیں اور نہ ہی انہوں نے قرآن کریم کا از سر نو کوئی ترجمہ کیا ہے، بلکہ انہوں نے اردو تراجم کو سامنے رکھ کر قرآن کریم کے اردو ترجمہ کو منظوم شکل دی ہے، اس لئے علماء کرام جہاں بھی کوئی اشکال محسوس کریں، اس کی نشاندہی کر دیں۔ میں اس عبارت کی اصلاح کر دوں گا، مگر مولانا عبدالحق خان بشیر اور مولانا قاری جمیل الرحمان اختر کی سپرور سے واپسی کے بعد میں نے دوبارہ قاضی عطاء اللہ صاحب سے رابطہ کیا اور وہ میرے پاس تشریف لائے۔ ان کا موقف اب بھی وہی تھا کہ علماء کرام کتاب کا مطالعہ کر کے نشاندہی کریں۔ جو عبارت بھی مشتبہ ہوگی، وہ اسے تبدیل کر دیں گے۔ چنانچہ اب وہ کتاب میں نے نظر ثانی اور تفصیلی مطالعہ کے لیے مولانا عبدالحق خان بشیر کو دے دی ہے اور ان کی ابتدائی رپورٹ یہ ہے کہ اس قسم کی کوئی واضح عبارت تو نظر نہیں آئی، البتہ بعض عبارات سے اشتباہ ہوتا ہے جن کی اصلاح کی ضرورت ہے۔“

بجائے اس کے کہ چاریاری صاحب اس حوالے سے علامہ راشدی کے کردار کو سراہتے کہ مولانا کے کہنے پر عطاء اللہ قاضی صاحب ان تمام قابل اعتراض عبارات کی اصلاح کر دیں گے جس کی نشاندہی علماء کرام فرمائیں گے، انہوں نے اس محاذ کے ایک اہم فرد کو قادیانیت نواز لکھ دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

و عین الرضا عن کل عیب کلیلۃ

ولکن عین السخط تبدی المساویا (امام شافعیؒ)

ترجمہ: جب انسان محبت و رضا کی نظر سے دیکھے تو ہر عیب و نقص سے نظر اٹھ جاتی ہے، لیکن جب نفرت و ناراضگی کی نظر ڈالتا ہے تو خامیاں و عیوب و نقائص ہی نظر آتے ہیں۔

امام المجاہدین حضرت مولانا سمیع الحق کی سرپرستی میں شائع ہونے والا، جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا ترجمان

ماہنامہ الحق کا کتاب ”امیر عبدالقادر الجزائری۔ ایک سچے جہاد کی داستان“ پر تبصرہ

انیسویں اور بیسویں عیسوی میں مسلم ممالک پر مغرب نے اپنے نئے مملوک کا آغاز کر دیا، بہت سے مسلم ممالک پر قبضہ کر کے اپنے استعماری تسلط کو برقرار رکھا۔ اس استعماری یلغار کے خلاف ان مسلم ممالک کے عوام الناس اور علماء کرام نے مزاحمت کا پرچم بلند کیا۔ اپنی جرأت و استقلال، عزیمت و استقامت، حوصلہ اور تدبیر کی داستانیں تاریخ میں ثبت کیں اور ان کی قربانیوں کو اپنوں نے کیا، ان کے دشمنوں نے بھی سراہا اور جب ۱۸۳۰ء میں فرانس نے مسلمانوں کے ریاست الجزائر پر تسلط قائم کرنے کی کوشش کی، جس کی مزاحمت میں اس وقت کے عظیم مجاہد شیخ محی الدین نے فرانسیسوں کے خلاف جہادی تنظیم منظم کی۔ اس کے دیر پا ثمرات مرتب ہونے پر اس نے اپنے جواں سال بیٹے عبدالقادر کو امیر بنا کر باقاعدہ جدوجہد کا آغاز کیا اور رفتہ رفتہ ایک بڑی تحریک کی شکل اختیار کر گئی۔ امیر عبدالقادر جوان، توانا، باہمت اور پر عزم ہونے کے ساتھ ساتھ جذبات کی رو میں بہنے والی شخصیت نہیں تھے بلکہ ہر قدم کو غور و تدبیر اور اپنی جماعت مجاہدین کی وسیع تر مفاد پر اٹھاتے رہے۔ زیر تبصرہ کتاب اس عظیم مجاہد کی طویل جدوجہد پر مبنی عزیمت کی لمبی داستان ہے جو آج کے ہر نو جوان، ہر عالم دین اور ہر مجاہد کے لیے مشعل راہ ہے۔ کتاب کے پیش لفظ میں نامور سکالر علامہ زاہد الراشدی صاحب لکھتے ہیں: ”امیر عبدالقادر الجزائری مغربی استعمار کے تسلط کے خلاف مسلمانوں کے جذبہ حریت اور جوش و مزاحمت کی علامت تھے اور وہ اپنی جدوجہد میں جہاد کے شرعی و اخلاقی اصولوں کی پاس داری اور اعلیٰ کردار کے حوالے سے امت مسلمہ کے محسنین میں سے ہیں۔ ان کے سوانح و افکار اور عملی جدوجہد کے بارے میں جان کا نزر کی یہ تصنیف نئی پود کو ان کی شخصیت اور جدوجہد سے واقف کرانے میں یقیناً مفید ثابت ہوگی۔ ایسی شخصیات کے ساتھ نئی نسل کا تعارف اور ان کے کردار، افکار اور تعلیمات سے آگاہی استعماری تسلط اور یلغار کے آج کے تازہ عالمی منظر میں مسلم امہ کے لئے رہنمائی کا ذریعہ ہے اور اس سمت میں کوئی بھی مثبت پیش رفت ہمارے لئے ملی ضرورت کی حیثیت رکھتی ہے۔“ بد قسمتی سے معاصر مذہبی رسائل و جرائد میں امیر عبدالقادر الجزائری کی بہت زیادہ کردار کشی کی گئی ہے، انہیں نقلی اور جعلی مجاہد جیسے القابات سے یاد کیا گیا ہے۔ لیکن بنیادی طور پر یہ نقطہ سب کی نظروں سے اوجھل رہا۔ وہ یہ کہ کتاب ایک انگریز مصنف جان کا نزر کی تصنیف ہے۔ بہت سی ایسی چیزیں جو اس نے اپنی طرف سے شائع کی ہیں، ان کا امیر سے کچھ تعلق ہے یا نہیں؟ ہمیں ان مسائل کا تجزیہ کرنا چاہئے تھا۔ ہمیں بڑی خوشی ہوئی کہ کوئی مسلمان مصنف اور مؤرخ اردو یا عربی میں ان کی سوانح لکھتا لیکن افسوس کہ ہم اپنوں کی قدر نہ کر سکے۔ مولانا زاہد الراشدی صاحب نے امیر عبدالقادر کی تشبیہ مولانا عبید اللہ سندھیؒ سے دے کر بہت سے مسائل کو سلجھادیا ہے۔ کاش مولانا سندھی کی تحریک کا ادراک ہم کرتے ہیں اور یہ عقدہ بڑی آسانی سے حل ہوتا۔ امیر عبدالقادر الجزائری کو عرب دنیا بالخصوص الجزائر وغیرہ میں اب بھی وہی حیثیت حاصل ہے جس طرح اسلامی دنیا میں خصوصاً پاکستان و افغانستان میں شیخ اسامہ بن لادن اور ملا محمد عمر صاحب مدظلہ کو حاصل ہے۔ بہر حال کتاب ظاہری و معنوی ہر اعتبار سے مرصع ہے۔ البتہ ترجمہ مزید سلیس، رواں اور آسان بنانے کی ضرورت ہے۔ ۴۵۴ صفحات پر مشتمل یہ تاریخی و دستاویز مکتبہ امام اہل سنت مرکزی جامع مسجد شیر نوالہ باغ گوجرانوالہ سے دستیاب ہے۔

علامہ راشدی پر غامدیت نوازی کا الزام

محترم مولانا عبدالرحیم چاریاری صاحب نے اپنی کتاب ”نوازشات“ کے چوتھے باب کو ”علامہ زاہد الراشدی صاحب کی غامدیت نوازی“ کا عنوان دیا ہے۔ جانشین امام اہل سنت حضرت مولانا علامہ زاہد الراشدی صاحب کے ناقدین ان کے خلاف جو ہتھیار استعمال کر رہے ہیں اور ان کی شخصیت کو متنازعہ بنانے کے لیے جس بات کا سب سے زیادہ واویلا کیا جا رہا ہے، وہ یہی غامدیت نوازی کا الزام ہے۔ ہمارے لیے لطف کی بات یہ ہے جس قدر اس الزام کو اچھالا اور دھرایا جا رہا ہے اسی قدر یہ کھوکھلا اور بے حیثیت ہو رہا ہے۔ کوئی بھی انصاف پسند اس بات کا انکار نہیں کر سکتا کہ اس وقت تک جماعت دیوبند کی نمائندگی میں غامدی صاحب کے افکار پر سب سے مؤثر علمی نقد مولانا راشدی ہی کی طرف سے کیا گیا ہے اور اس بات کا اقرار اہل علم کا تو کجا خود غامدی صاحب کے متعدد شاگرد بھی اپنی تحریروں میں کر چکے ہیں۔ اس سلسلہ میں علامہ راشدی کا شمار بلاشبہ و بلا مبالغہ صف اول کے ناقدین میں ہوتا ہے۔ اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے راقم الحروف نے ماہنامہ نصرۃ العلوم، جون ۲۰۱۳ء کے شمارہ میں ”علامہ راشدی پر غامدیت نوازی کا الزام“ کے عنوان سے ایک مفصل مضمون تحریر کیا تھا، جو بعد ازاں ملک کے معروف، ممتاز اور مسلکی رسالوں مجلہ الحقائق، ساہیوال اور مجلہ المصطفیٰ بہاولپور میں بھی شائع ہوا، اس کا ایک طویل اقتباس ایک حوالے کے اضافہ کے ساتھ دوبارہ پیش کیا جا رہا ہے۔

ردّ غامدیت پر علامہ راشدی کی تحریری خدمات

”ان سطور میں جاوید غامدی صاحب کے افکار و نظریات پر مولانا زاہد الراشدی کی

بیش قیمت علمی تنقید کا ایک مختصر خاکہ پیش کرنا مقصود ہے، جس سے احباب کو اصل اور صحیح صورت حال سے واقفیت حاصل ہوگی۔

(۱) مفکر اسلام علامہ زاہد الراشدی نے ”غامدی صاحب کے ارشادات پر ایک نظر“ کے عنوان سے ملک کے نامور روزنامہ اوصاف میں تین اقساط پر مشتمل ایک جاندار اور مفصل مضمون تحریر فرمایا، جس میں

☆ پاکستان کی عملی سیاست میں علماء کا کردار۔

☆ علماء کا آزادانہ فتویٰ دینے کا حق۔

☆ جہاد کے لیے حکومت و اقتدار کی شرط۔

☆ زکوٰۃ کے علاوہ ٹیکس لگانے کا جواز، جیسے اہم موضوعات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

(۲) غامدی صاحب کے شاگرد رشید معروف صحافی خورشید احمد ندیم صاحب نے ”توضیحات“ کے زیر عنوان مولانا راشدی کے موقف کو تنقید کا نشانہ بنایا جس کے جواب میں علامہ راشدی نے ”خورشید ندیم صاحب کے ارشادات کا جائزہ“ کے زیر عنوان ایک تفصیلی مضمون تحریر کیا جو تین ذیلی عنوانات،

☆ غامدی صاحب اور خبر واحد۔

☆ رجم کی شرعی حیثیت اور غامدی صاحب۔

☆ علماء اور سیاست، پر مشتمل ہے۔

(۳) خورشید احمد ندیم صاحب سے مولانا راشدی کے مضمون کا جواب نہ بن سکا تو غامدی صاحب کے دو اور شاگرد جناب معز امجد صاحب اور ڈاکٹر فاروق خان صاحب میدان میں آئے اور طبع آزمائی کی تو مولانا راشدی نے ”معز امجد صاحب کے استدالات پر ایک نظر“ کے عنوان سے انکی غلطیوں کو عیاں کیا اور اپنے موقف پر مزید دلائل پیش کیے۔

(۴) بات یہیں پر ختم نہ ہوئی، غامدی صاحب کے شاگرد جناب معز امجد صاحب نے اس بحث کو طوالت دی، ایک اور مضمون بنام ”مولانا زاہد الراشدی کے فرمودات کا جائزہ“ لکھ کر

اس مباحثے کو آگے بڑھایا، تو مفکر اسلام کا مؤثر قلم پھر حرکت میں آیا، اور ایک اور مضمون ”معز امجد اور ڈاکٹر محمد فاروق خان کے جواب میں“ تحریر فرمایا اور اس بحث کو انجام تک پہنچایا، اس مضمون کے آخر میں مفکر اسلام علامہ راشدی فرماتے ہیں ”ہمارا خیال ہے کہ اس بحث کو یہیں سمیٹ لیا جائے۔ دونوں طرف سے دلائل سامنے آچکے ہیں۔ مزید تکرار کا کوئی فائدہ نہیں۔“ معز امجد صاحب اور ڈاکٹر فاروق صاحب کی تحریریں بحث برائے بحث کی صورت اختیار کرتی جا رہی تھیں، جو کہ علامہ راشدی کے مزاج کا حصہ نہیں ہے، اس لیے اس مضمون کے بعد اس مباحثے سے متعلق ان کے کسی مضمون کا جواب نہیں دیا گیا۔

(۵) ”قرآن فہمی میں حدیث نبویؐ کی اہمیت“ اس مضمون کے تعارف کے لیے اس کا عنوان ہی کافی ہے، جاوید غامدی صاحب جو قرآن کریم کو جاہلی دور کے عربی ادب اور شعر و شاعری کے ذخیرے کی بنیاد پر سمجھنا چاہتے ہیں اور ادب جاہلی کی روایات کے حوالے سے قرآن کا مفہوم طے کرنے کے درپے ہیں، اس مضمون میں ان کی اس فکر پر دلچسپ کلام کیا گیا ہے اور قرآن کریم کی تفسیر میں حدیث رسول کے عظیم اشان ذخیرے کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔

(۶) ۲۰۰۲ء میں روزنامہ پاکستان میں ایک انٹرویو شائع ہوا۔ جس میں غامدی صاحب محترم فرماتے ہیں۔

☆ دوپٹے کا تعلق کلچر سے ہے، شریعت سے نہیں۔

☆ قرآن کریم میں حجاب کے بارے میں جن پابندیوں کا ذکر موجود ہے، ان کا اطلاق عمومی نہیں، بلکہ ان کا تعلق جناب نبی اکرم ﷺ کے دور کے مخصوص حالات سے ہے۔

☆ شریعت نے صرف سینہ ڈھانپنے اور مناسب لباس پہننے کی پابندی لگائی ہے، جس میں دوپٹہ شامل نہیں۔

اس پر مفکر اسلام علامہ زاہد الراشدی نے پکڑ فرمائی اور ”اسلام میں پردے کے احکام“ لکھ کر غامدی صاحب کی علمی غلطیوں کو واضح کیا۔

(۷) ”پارلیمنٹ، اجتہاد اور وفاقی شرعی عدالت“ اس مضمون میں مفکر اسلام علامہ راشدی نے

☆ قانون سازی سے متعلق پارلیمنٹ کے حق میں غامدی صاحب کے ادھورے بیان کے خطرناک پہلوؤں کو آشکارا کیا۔

☆ وفاقی شرعی عدالت سے متعلق غامدی صاحب کے ایک متشدد بیان پر تنقید کی۔
مذکورہ بالا تمام مضامین کو الشریعہ اکیڈمی گوجرانوالہ نے ”جناب جاوید احمد غامدی کے حلقہ فکر کے ساتھ ایک علمی و فکری مکالمہ“ کے عنوان سے یکجا کر کے کتابی صورت میں شائع کر دیا ہے۔

۲۰۰۶ء میں جنرل پرویز مشرف کی مساعی سے رائج الوقت حکومت نے ”تحفظ حقوق نسواں بل“ منظور کر کے ”حدود آؤٹینس“ میں شرمناک ترمیم کی، اس سلسلہ میں جاوید احمد غامدی صاحب اور ان کے رفقاء نے جو رویہ اختیار کیا اور جو کردار ادا کیا، وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے، پاکستان میں حدود اللہ کا نفاذ باقی رکھنے کے لیے علمی و فکری محاذ پر اس وقت اگر کسی نے متحرک کردار ادا کیا اور بھرپور کوشش کی تو بلا مبالغہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے بعد دوسری شخصیت مفکر اسلام علامہ راشدی کی ہے، اس موضوع پر مولانا راشدی کے بیسیوں مضامین روزنامہ پاکستان، روزنامہ اسلام، ماہنامہ الشریعہ، ماہنامہ نصرت العلوم اور دیگر کئی رسائل کی زینت بنے، بعد ازاں جنہیں الشریعہ اکیڈمی نے ”حدود آؤٹینس اور تحفظ نسواں بل“ کے عنوان کے تحت کتابی شکل میں شائع کیا، ویسے تو مکمل طور پر ہم اس کتاب کے تمام مضامین کو غامدی صاحب کے افکار پر تنقید کے طور پر پیش کر سکتے ہیں، لیکن ذیل میں ہم صرف ان چند مضامین کے عنوان لکھ رہے جن میں خاص الخاص غامدی صاحب کے موقف کو پیش نظر رکھ کر تنقید کی گئی ہے۔

(۸) حدود آؤٹینس، مخالفت کیوں؟

(۹) محترم جاوید غامدی اور ڈاکٹر طفیل ہاشمی کی توضیحات۔

(۱۰) اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ پر چند گزارشات۔

(۱۱) خصوصی علماء کمیٹی نظریہ کونسل کی متبادل نہیں۔

اس کے علاوہ کئی مضامین مفکر اسلام نے وقتاً فوقتاً غامدی صاحب کے افکار پر نقد کرتے ہوئے تحریر فرمائے ہیں۔

(۱۲) ”اجتہاد، تجدید اور تجدّد“ کے نام سے یہ جاندار مضمون جس میں اجتہاد، تجدید اور تشکیل نو میں فرق کو واضح کیا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ جاوید احمد غامدی صاحب اجتہاد اور تجدید کی آڑ میں تشکیل نو کی راہ ہموار کر رہے ہیں جس کا عملی نتیجہ بہر حال گمراہی ہے۔

(۱۳) ماہنامہ الشریعہ جون ۲۰۰۸ء میں ایک مضمون ”غامدی صاحب کا تصور سنت“ کے عنوان سے تحریر فرمایا، جس میں جاوید غامدی صاحب کے خود ساختہ اور انوکھے نظریہ سنت پر کلام کیا اور بتلایا کہ نزول مسیح علیہ السلام جیسے اعتقادی اور دیگر بہت سے اہم مسائل سے انکار اسی تصور سنت کے مرہون منت ہیں۔ اپنے اس مضمون میں مولانا راشدی نے جناب جاوید احمد غامدی صاحب سے گزارش کی کہ وہ اپنے نظریہ سنت کی وضاحت فرمائیں۔

(۱۴) جانشین امام اہل سنت کی گزارش پر جاوید احمد غامدی صاحب محترم نے از خود ماہنامہ ”اشراق“ مارچ ۲۰۰۹ء کے شمارہ میں اپنے ”تصور سنت“ کی وضاحت کی، تو مولانا راشدی نے غامدی صاحب کے پیش کیے گئے نکات پر ماہنامہ ”الشریعہ“ اپریل ۲۰۰۹ء کے شمارہ میں ”حدیث و سنت کے بارے میں غامدی صاحب کا موقف“ کے زیر عنوان تنقیدی مضمون لکھا ہے۔

(۱۵) ماہنامہ الشریعہ مارچ ۲۰۰۴ء میں ”جہادی حکمت عملی، مثبت اور منفی پہلو“ کے عنوان سے پہلا مضمون غامدی صاحب کے شاگرد جناب خورشید احمد ندیم صاحب اور دوسرا مضمون مفکر اسلام علامہ راشدی کا ہے، اس مضمون میں مفکر اسلام نے خورشید ندیم صاحب کی جہاد اور جہادی تحریکات کے بارے میں غلط فہمیوں کا جائزہ لیا ہے اور بڑے مثبت انداز میں ان کے افکار کا رد کیا ہے۔

(۱۶) روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۱ فروری ۲۰۰۸ء میں جاوید غامدی صاحب کا ایک انٹرویو شائع ہوا، جس میں غامدی صاحب فرماتے ہیں ”خلافت کوئی نظام نہیں ہے خلافت راشدہ

بنیادی طور پر ایک قبائلی نظام تھا، جس پر علامہ راشدی نے ماہنامہ نصرت العلوم مارچ ۲۰۰۸ء کے شمارے میں ایک مضمون ”کیا خلافت راشدہ قبائلی نظام تھا؟“ کے عنوان سے لکھا اور غامدی صاحب کی گمراہی کو واضح کیا اور بتلایا کہ اسلام کا اصل سیاسی نظام (political system) خلافت ہے۔ اس مضمون کے آخر میں علامہ راشدی فرماتے ہیں ”جاوید احمد غامدی صاحب اسلامی تعلیمات کے اجتماعی پہلوؤں کی نفی کے شوق میں تاریخی حقائق سے ہی آنکھیں بند کیے ہوئے ہیں۔“

(۱۷) ”اجتہاد و استنباط میں علمی شخصیات کی آراء کی اہمیت“ کے عنوان سے ایک مضمون مفکر اسلام کی کتاب ”عصر حاضر میں اجتہاد“ میں موجود ہے، اس مضمون میں جانشین امام اہل سنت علامہ زاہد الراشدی نے جاوید غامدی صاحب محترم کی اس فکر کا محاکمہ کیا ہے کہ اجتہاد و استنباط میں ائمہ مجتہدین کی آراء کو کوئی اہمیت نہیں حاصل ہے، اور ثابت کیا کہ ”اہل علم اور شخصیات سے شریعت اخذ کرنے کی بات نہ تو قرآن کریم کی منشا کے خلاف ہے اور نہ ہی عقل و منطق اس کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔“

ہمیں اس موضوع پر جتنے مضامین میسر آ سکے، ان کا ایک مختصر سا خاکہ پیش خدمت ہے، جبکہ احباب جانتے ہیں کہ جانشین امام اہل سنت علامہ راشدی کا تحریری کام بہت وسیع پیمانے پر پھیلا ہوا ہے۔

غامدی صاحب گمراہ ہیں

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر ہم جانشین امام اہل سنت مفکر اسلام حضرت مولانا علامہ زاہد الراشدی صاحب کے دو اقتباس بھی درج کر دیں، جن میں حضرت علامہ نے محترم جناب جاوید احمد غامدی صاحب کے افکار و نظریات کو واضح طور پر ”گمراہی“ سے تعبیر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ

”غامدی صاحب نے جس انداز سے دین کی بنیادی اصطلاحات کی تشکیل نو کی ہے اور اصطلاحات کے الفاظ کو برقرار رکھتے ہوئے ان کے مفہوم و مصداق کے حوالے سے جو نیا

تانا بانانا ہے، وہ اجتہاد اور تجدید کے قدیمی اور روایتی مفہوم کے بجائے تشکیل نو (Reconstruction) کے دائرے میں آتا ہے۔ ہمارا ان سے اصولی اختلاف یہی ہے اور ہم پورے شرح صدر اور دیانت داری کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ جہاں بھی دین کے پورے ڈھانچے کی تشکیل نو کی بات ہوگی، دین کے بنیادی اصطلاحات کو نئے معنی دے کر اپنی مرضی کے نتائج حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی اور امت کے چودہ سو سالہ علمی ماضی کے خلاف بے اعتمادی کی فضا پیدا کر کے نئی نسل کو اس سے کاٹنے کی سوچ کا فرما ہوگی، وہاں ایسی کوششوں کا عملی نتیجہ گمراہی کا ماحول پیدا کرنے کے سوا کچھ برآمد نہیں ہوگا۔“ (ایک علمی و فکری مکالمہ صفحہ ۸)

مفکر اسلام مزید فرماتے ہیں کہ ”اس (غامدی صاحب کا ”تصور سنت“ کے) ضمن میں ماہنامہ ”اشراق“ کے مذکورہ شمارے (اپریل ۲۰۰۸ء) کے صفحہ ۸ میں سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی کے بارے میں جناب جاوید احمد غامدی کے اس ارشاد کا حوالہ دینا بھی شاید نامناسب نہ ہو کہ:

”اصل الفاظ ہیں: بل رفعہ اللہ الیہ۔ اور رفع کی وضاحت قرآن نے سورۃ آل عمران (۳) کی آیت ۵۵ میں اس طرح فرمائی ہے کہ وفات کے بعد اللہ تعالیٰ انھیں اپنی طرف اٹھالیں گے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ روح قبض کر کے ان کا جسم بھی اٹھالیا جائے گا تاکہ ان کے دشمن اس کی توہین نہ کر سکیں۔“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بارے میں غامدی صاحب کا یہ کہنا امت کے اجماعی عقیدہ کے منافی ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک عقیدہ کے تعین و تعبیر میں سنت و حدیث کا کوئی دخل نہیں ہے اور ان کے خیال میں قرآن کریم سے اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح قبض کیے بغیر آسمانوں پر اٹھالیا گیا تھا۔ اگرچہ ان کا یہ موقف بھی محل نظر ہے کہ قرآن کریم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ حالت میں آسمانوں کی طرف اٹھائے جانے کا ثبوت نہیں ملتا، لیکن اس وقت ہمارا یہ موضوع

گفتگو نہیں ہے اور ہم سر دست یہ عرض کرنا چاہ رہے ہیں کہ چونکہ غامدی صاحب سنت و حدیث کو علم کا ذریعہ نہیں سمجھتے اور عقائد کے ماخذ کے طور پر تسلیم نہیں کرتے، اس لیے انہیں امت کے اس اجماعی عقیدہ سے انحراف کرنا پڑ رہا ہے اور بات صرف اس ایک عقیدہ تک محدود نہیں ہے، اور بھی بہت سے معاملات میں جمہور امت کے اجماعی تعامل سے غامدی صاحب کے انحراف کی وجہ یہی ہے۔ چنانچہ ہمارے نزدیک محترم جاوید احمد غامدی صاحب کا یہ ”تصور سنت“ صرف امت کے اجماعی تعامل و عقیدہ ہی کے خلاف نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ’من یشاقق الرسول‘ اور ’ویتبع غیر سبیل المومنین‘ کی حدود کو چھوٹا ہوا بھی نظر آ رہا ہے، اس لیے ہم ’الدین النصیحة‘ کے تحت پورے خلوص کے ساتھ انھیں اس گمراہ کن تصور سے رجوع کا برادرانہ مشورہ دینا اپنی دینی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔

۔ شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات“۔ (ماہنامہ الشریعہ، جون ۲۰۰۸ء)

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ محترم جناب جاوید احمد غامدی صاحب کے افکار و نظریات پر اس قدر تنقید کرنے کے باوجود بعض حضرات مولانا راشدی کو ”غامدیت نواز“ بتلا رہے ہیں، اس کی بنیادی وجہ یہ معلوم پڑتی ہے کہ مولانا راشدی نے غامدی صاحب کے افکار پر جو نقد کیا ہے، اس میں انتہائی محتاط انداز اختیار کیا گیا ہے، اور اسلوب تحریر شائستہ ہے۔ جبکہ معاصر نقطہ نظر یہ ہے کہ جب تک گالم گلوچ اور طعن و تشنیع کو اختیار نہ کیا جائے، اس وقت تک تنقید کو تنقید ہی تصور نہیں کیا جائے گا، اس سلسلہ میں مولانا زاہد الراشدی رقمطراز ہیں کہ ”جہاں تک غامدی صاحب کا تعلق ہے، ان کے فکر اور موقف پر سب سے زیادہ تنقید کرنے والوں میں خود میں بھی شامل ہوں اور میرے درجوں مضامین ”الشریعہ“ اور قومی اخبارات میں اس سلسلے میں شائع ہو چکے ہیں، البتہ میرا نقد و اعتراض کا انداز مناظرین و مجادلین کے طرز استدلال سے مختلف ہے۔ میری کوشش ہمیشہ یہ رہی ہے اور آئندہ بھی رہے گی کہ طعن و تشنیع اور تحکم کے بجائے افہام و تفہیم سے کام لیا جائے اور جس سے اختلاف کیا جا رہا ہے، اسے مسترد کرنے کے بجائے واپس لانے کی کوشش کی جائے۔ میں ہر حال میں آپریشن کر دینے کا قائل نہیں

ہوں بلکہ واپسی کے لیے محفوظ راستہ دینے کو ترجیح دیتا ہوں اور اس کے لیے کوشش بھی کرتا ہوں۔ یہ صرف غامدی صاحب کے حوالے سے نہیں ہے بلکہ جو دانش ور بھی کسی وجہ سے جمہور کے جادہ اعتدال سے ہٹ کر بات کر رہے ہیں، ان سب کے بارے میں میری خواہش اور کوشش یہی ہے۔“ (الشریعہ، مئی/جون ۲۰۰۹ء)

مولانا زاہد الراشدی صاحب مزید لکھتے ہیں کہ ”لٹھ مار تنقید کا نہ میرے اندر سلیقہ موجود ہے اور نہ ہی اس کا عادی ہوں۔ کوئی دوست طبع آزمائی کریں تو برداشت کسی نہ کسی طرح کر لیتا ہوں، مگر خود ایسا کرنے کا سرے سے مجھ میں حوصلہ ہی نہیں ہے۔ سادہ لہجے میں اور حتی الوسع طالب علمانہ انداز میں رائے سے اختلاف کرتا ہوں اور ہر ممکن کوشش کرتا ہوں کہ بات علمی دائرے سے باہر نہ نکلنے پائے، جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ والد محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ سے میں نے اسی ذوق کی تربیت پائی ہے۔

دوسری کمزوری جس کا اعتراف کرنے میں مجھے کوئی باک نہیں، مجھ میں یہ ہے کہ میرے پاس کوئی ایسا تھرمامیٹر موجود نہیں ہے کہ جس کے ذریعے سے میں لوگوں کی نیتوں اور دلوں کے حال کو جان سکوں۔ ظاہر کا مکلف ہوں اور اسی دائرے میں رہنے کی کوشش کرتا ہوں، البتہ کسی صاحب کی رائے اور موقف کے ممکنہ نتائج و ثمرات کے حوالے سے بات ضرور کر لیتا ہوں، جیسا کہ میں نے غامدی صاحب کے بارے میں بھی سطور بالا میں عرض کیا ہے۔ مگر نیت اور دل تک مجھے رسائی حاصل نہیں ہے کہ کسی کو حتمی لہجے میں کسی کا ایجنٹ قرار دے سکوں۔“ (ماہنامہ الشریعہ، دسمبر ۲۰۱۱ء)

چار یاری صاحب کی بدیانتی: رجوع شدہ تحریر کی اشاعت

کمال کی بات تو یہ ہے کہ ہمارے محترم چار یاری صاحب اس بات پر تو نوحہ کناں ہیں کہ مفکر اسلام علامہ راشدی کی حمایت میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اور مفتی اعظم پاکستان استاذ العلماء والمشاخ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب کے اقتباسات پیش کئے جا رہے ہیں، جن میں مولانا راشدی پر اعتماد کا بڑے بلند پایہ الفاظ کے

ساتھ اظہار کیا گیا ہے (اور جن پر ہر دل عزیز یہ دونوں حضرات ابھی تک پورے اعتماد کے ساتھ قائم ہیں)، جبکہ دوسری طرف یہ حال ہے کہ چاریاری صاحب اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے بعض رجوع شدہ تحریروں کی اشاعت میں بھی کوئی عیب محسوس نہیں کرتے، انہوں نے ”غامدیت نوازی“ کے ضمن میں پاکستان کے مشہور عوامی خطیب جناب محترم مولانا عبدالرؤف چشتی صاحب کی ایک تحریر جس سے وہ علی الاعلان رجوع کر چکے ہیں، اسے اپنی کتاب میں شائع کر دیا، ملاحظہ فرمائیں مولانا چشتی کے خط کا عکس جو ماہنامہ نصرت العلوم (جنوری ۲۰۱۰ء) میں شائع ہوا اور داد دیجئے ہمارے محترم چاریاری صاحب کو۔

قابل قدر حضرت مولانا محمد فیاض خان صاحب سواتی

السلام علیکم۔ آپ کی طرف سے جاری کردہ کھلا خط ملا، شکوک و شبہات دور ہوئے، اپنی بنیادی غلطی کا احساس ہوا کہ بغیر رابطہ کئے مخالفانہ ذہن بنالیا۔ جس روز مجھے کھلا خط ملا، میں نے اسی روز اپنے قابل تکریم دیرینہ ساتھی حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب دامت برکاتہم سے موبائل پر معذرت کر لی تھی۔ آپ سے بھی بذریعہ تحریر معذرت خواہ ہوں۔ دراصل مجھے صرف اتنا علم ہوا تھا کہ مولانا عمار خان ناصر صاحب غامدی صاحب کے نظریات کی اشاعت کرتے ہیں اور مولانا زاہد صاحب اپنے بیٹے کی تائید اور حمایت کرتے ہیں۔ اس لئے میں نے رسالہ المصطفیٰ بہاولپور کے امام اہل سنت نمبر پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک آدھ جملہ لکھ دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اور بلا تحقیق بدگمانی سے بچائے۔ آپ کے کھلے خط کے جواب میں میں کھلے دل سے معذرت چاہتا ہوں۔ مجھے خوشی ہوگی کہ میرا معافی نامہ شائع کر دیا جائے۔ کیونکہ جب میرے تنقیدی جملے چھپ کر منظر عام پر آ چکے ہیں تو میرا معافی نامہ بھی منظر عام پر آنا چاہئے تاکہ ریکارڈ درست رہے۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے؟ تمام سواتی برادران کی خدمت میں ہدیہ سلام و نیاز

عبدالرؤف چشتی دیوبندی اوکاڑوی

جناب مولانا عمار ناصر اور علامہ راشدی

”غامدیت نوازی“ کے ضمن میں رہ گئی بات محترم مولانا حافظ محمد عمار خان ناصر صاحب کی توان سے متعلق مولانا راشدی صاحب کا یہ جملہ ہم پہلے بھی نقل کر چکے ہیں کہ ”الشریعہ میں شائع ہونے والی کوئی بھی تحریر خواہ وہ عزیزم حافظ محمد عمار خان ناصر سلمہ کی ہو یا کسی اور دوست کی، وہ مباحثہ کا حصہ تو ہو سکتی لیکن الشریعہ کا موقف نہیں اور نہ ہی وہ راقم الحروف کا موقف ہے۔“ (الشریعہ منیٰ / جون ۲۰۰۹ء)

مولانا زاہد الراشدی صاحب ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ ”وہ (عزیزم عمار خان ناصر سلمہ) میرے ہاتھوں میں پلا بڑھا ہے، اسے میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ اپنے دادا محترم شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ کا شاگرد ہے، اس نے جامعہ نصرت العلوم گوجرانوالہ میں درس نظامی کی تعلیم کی تکمیل کی ہے اور دورہ حدیث کیا ہے۔ اس کے بعد موقوف علیہ تک درس نظامی کی کتابیں دس گیارہ سال تک مسلسل پڑھائی ہیں۔ تدریسی اور کتابی ذوق رکھتا ہے اور اس کے سوا اس کا کوئی اور شغل نہیں ہے۔ غامدی صاحب کے ساتھ اس کا تلمذ کا تعلق ہے اور ان کے بعض افکار سے وہ متاثر بھی ہے، جبکہ کچھ عرصہ تک ان کے ادارے کے ساتھ بھی اس کا جزوی تعلق رہا ہے۔ اس کے بعض خیالات اور مضامین سے خود میں نے بھی اختلاف کیا ہے اور الشریعہ کے صفحات پر کیا ہے جو ریکارڈ پر موجود ہے، لیکن کسی صاحب فکر کے بعض نتائج فکر سے ہم آہنگ ہونا اور بات ہے اور اس کی مکمل فکر کا مبلغ ہونا اور بات ہے۔“ مزید لکھتے ہیں ”گزشتہ دنوں ایک محترم دوست میرے پاس تشریف لائے اور بڑے خلوص کے ساتھ فرمایا کہ ”آپ نے عمار خان کو آزاد چھوڑ رکھا ہے۔“ میں نے ان کی اس ہمدردی اور خیر خواہی پر ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انھیں تسلی دی کہ ایسا نہیں ہے۔ میں نے اسے بالکل آزاد نہیں چھوڑ رکھا ہے، بلکہ جہاں ضرورت محسوس ہو، اسے سمجھاتا ہوں، اس کی راہ نمائی کرتا ہوں اور جو بات اس کی سمجھ میں آجائے، وہ مانتا بھی ہے۔ اس کے مزاج میں تعنت اور ضد بالکل نہیں ہے، البتہ بات سمجھ کر مانتا ہے۔ بہت سے معاملات میں اس نے میرے

سمجھانے پر رائے تبدیل کی ہے، اس لیے یہ کہنا درست نہیں ہے کہ میں نے اسے بالکل آزاد چھوڑ رکھا ہے۔ (ماہنامہ الشریعہ، دسمبر ۲۰۱۱ء)

حال ہی میں ماہنامہ الشریعہ (نومبر ۲۰۱۳ء) میں مفکر اسلام مولانا راشدی رقمطراز ہیں کہ ”راقم الحروف کے ایک درجن سے زائد مضامین ”الشریعہ“ میں شائع ہوئے ہیں جن میں غامدی صاحب کے افکار پر نقد کیا گیا ہے، حتیٰ کہ عمار خان سلمہ نے بھی (جسے غامدی صاحب کے افکار کے فروغ کا ذریعہ قرار دینے کی ”زیادتی“ جناب فصیح احمد صاحب نے بھی بلا تکلف فرمادی ہے) ”الشریعہ“ کے انہی صفحات میں غامدی صاحب کے متعدد افکار سے اختلاف کیا ہے اور ان پر ”علمی نقد“ کیا ہے، مگر یک طرفہ مطالعہ کے خوگر دوستوں کو یہ سائیڈ دکھائی ہی نہیں دیتی اور وہ یک طرفہ طور پر ان یحیٰی حدیث بکل ما سمع کا ورد کیے چلے جا رہے ہیں۔“

مولانا عمار خان صاحب ناصر کے بعض وہ مضامین جن میں انہوں نے جاوید احمد غامدی صاحب کے افکار و نظریات پر نقد کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

- (۱) اسیران جنگ کو غلام بنانے کا جواز (ان کی کتاب براہین میں موجود ہے)
- (۲) رخصتی کے وقت ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر (ماہنامہ الشریعہ، اپریل ۲۰۱۲ء)

(۳) سیدہ عائشہ کے نکاح کے لئے خولہ بنت حکیم کی تجویز (ماہنامہ الشریعہ نومبر ۲۰۱۲ء)

محترم مولانا عمار خان ناصر صاحب کے بعض وہ مضامین جن میں جمہور اہل علم کے نظریات سے ہٹ کر بات کی گئی ہے، ان پر علمی نقد کا ہمیشہ خیر مقدم کیا گیا ہے، البتہ طعن و تشنیع، دشنام طرازی اور مکرو فریب کا رویہ کسی طرح بھی درست طرز عمل نہیں ہے، اس سے بجائے فائدہ کے نقصان ہی ہوتا ہے اور دلیل کا وزن بے وقعت ہو کر رہ جاتا ہے، چار یاری صاحب نے اپنی کتاب میں متعدد جگہ یہ ہی طرز اپناتے ہوئے باور کرانے کوشش کی ہے کہ مولانا عمار خان ناصر صاحب جاوید احمد غامدی صاحب کے ادارہ ”المورد“ کے معقول تنخواہ دار ہیں جبکہ ہماری معلومات کی حد تک اس وقت عمار صاحب کا جاوید غامدی صاحب کے

ادارے ”المورد“ کے ساتھ جزوی تعلق بھی باقی نہیں رہا (دیکھیے ماہنامہ الشریعہ دسمبر ۲۰۱۱ء)

لہذا چار یاری صاحب کو یہ حق تو ضرور حاصل ہے کہ وہ مولانا ناصر صاحب کے متنازعہ نظریات کا دلیل کی بنیاد پر رد کریں مگر فی سبیل اللہ بد اعتمادی اور بدگمانی کی فضاء پیدا کرنے کے لئے کذب بیانی کا سہارا لینا علمائے دیوبند کا شیوا نہیں ہے، الزام تراشی اور بہتان طرازی کا یہ رویہ انتہائی نازیبا حرکت ہے جس سے بہر حال گریز کیا جانا چاہیے اور خدا کی بارگاہ میں توبہ کرنی چاہیے.....

جناب حضرت مولانا حافظ زاہد حسین رشیدی صاحب رقمطراز ہیں: ”رسمی علیک سلیک اور دریافت خیریت کے بعد حضرت مخدوم (مولانا زاہد الراشدی) مدظلہ نے ہمارے دیرینہ دوست مولانا عبد الرحیم چاریاری مدظلہ کے بیٹے کی خیریت و دستیابی کے متعلق استفسار فرمایا جو گزشتہ چند ہفتوں سے لاپتہ ہے۔ (مولانا چاریاری صاحب کے اس بیٹے کا نام علی حیدر تھا جسے شہید بھی کر دیا گیا ہے۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون) حضرت علامہ کے لہجے میں ہمدردی، اپنائیت اور تشویش نمایاں تھی۔ اظہار افسوس بھی کر رہے تھے اور دعائیں بھی۔ یاد رہے کہ مولانا چاریاری مدظلہ نے حضرت علامہ پر تنقید کرتے ہوئے ایک کتاب تیار کی اور اسے اپنے ادارہ کی طرف سے شائع کرتے ہوئے مزید ”نوازشات“ کا عزم ظاہر کیا ہے۔ اپنے مخالفین کی بابت یہ طرز عمل یقیناً دل گردے کا کام ہے جو سنت نبوی علی صاحبہا التحیۃ والسلام کا عملی نمونہ بھی ہے اور ہم چھوٹوں کے لیے بہترین سبق بھی۔“ (ماہنامہ الشریعہ، اگست ۲۰۱۲ء)

محمد عثمان فاروق صاحب رقمطراز ہیں: ”ایک طالب علم نے سبق کے بعد مولانا (زاہد الراشدی صاحب) سے کہا کہ آج کل علمی حلقوں میں آپ کے افکار کے حوالے سے بہت باتیں ہو رہی ہیں اور فلاں عالم دین تو آپ پر بہت شدید تنقید کرتے ہیں اور آپ کے نظریات، عمار صاحب اور بالخصوص آپ کے مجلہ الشریعہ کی ”آزادانہ غور و فکر“ اور ”مکالمہ و مباحثہ“ کی پالیسی پر برستے ہیں۔ مولانا نے یہ ساری بات بڑے اطمینان اور ٹھیکراؤ کے ساتھ سنی اور پھر مسکراتے ہوئے کہنے لگے، بیٹا! کوئی بات نہیں۔ وہ سب ہمارے دوست ہیں اور دوستوں کا حق ہوتا ہے۔ جس بات کو وہ درست سمجھتے ہیں پوری جرأت، متانت اور سنجیدگی سے اپنی بات کہنے کا حق رکھتے ہیں۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ امت کے مختلف مکاتب فکر اور زاویہ نگاہ رکھنے والے لوگوں میں مکالمہ ہو، بات چیت ہو، تاکہ اختلافات کم ہوں اور غلط فہمیاں اور شکوک و شبہات دور ہوں۔“ (ماہنامہ الشریعہ، مئی ۲۰۱۲ء)

ماہنامہ الشریعہ پر غامدیت نوازی کا الزام

گزشتہ قسط جو مولانا محترم عبدالرحیم چاریاری صاحب کی کتاب ”نوازشات“ کے ایک باب ”علامہ زاہد الراشدی کی غامدیت نوازی“ کے رد میں لکھی گئی تھی اس میں ایک بات تشفیہ تکمیل رہ گئی تھی اور وہ یہ تھی کہ جس طرح مفکر اسلام پر اس اعتراض کی حقیقت واضح کی گئی ہے اسی طرح جانشین امام اہل سنت کے جاری کردہ ماہنامہ الشریعہ پر غامدیت نوازی کے الزام کا بھی غیر جانبدارانہ جائزہ لیا جائے اور اس سلسلہ میں تصویر کا وہ رخ بھی قارئین کی خدمت میں رکھا جائے جس سے مسلسل نظر کیا جا رہا ہے۔ ماہنامہ الشریعہ پر یہ الزام ہے کہ یہ محترم جناب جاوید احمد غامدی صاحب کے افکار و نظریات کی اشاعت کے لیے مسلسل استعمال ہو رہا ہے۔ یہ بے تکا الزام مختلف اوقات میں مختلف اطراف سے سامنے آتا رہتا ہے جس کی بنیادی وجہ غامدی صاحب کے دفاع میں لکھے گئے وہ مضامین ہیں جو ماہنامہ الشریعہ میں ایک پالیسی کے تحت شائع ہوتے رہے ہیں۔ ماہنامہ الشریعہ ایک ایسا پلیٹ فارم ہے جس میں مذہبی موضوعات پر سنجیدہ انداز میں لکھی گئی تحریروں کا خیر مقدم کیا جاتا ہے خواہ وہ کسی بھی مکتبہ فکر کی نمائندگی کرتی ہوں۔ ایسا کیوں کیا جاتا ہے؟ یہ ایک تفصیل طلب پہلو ہے جس پر انشاء اللہ ہم انہی صفحات میں اس کو موضوع گفتگو بنا کر کلام کریں گے۔ فی الحال تو صرف اتنی عرض ہے کہ ”غامدیت نوازی“ کا یہ الزام تو اس صورت میں حقیقت ہو سکتا تھا کہ ماہنامہ الشریعہ میں صرف غامدی صاحب کے دفاع میں مضامین شائع کیے جاتے جبکہ اصلیت یہ ہے کہ غامدی صاحب کے افکار پر جس قدر ماہنامہ الشریعہ میں نقد کیا گیا ہے معاصر جرائد میں سے اس کی مثال نہیں پیش کی جاسکتی۔ ہم نے گزشتہ قسط میں جانشین امام اہل سنت مولانا زاہد الراشدی صاحب اور مولانا محمد عمار خان ناصر صاحب کے غامدی

صاحب کے رد میں لکھے گئے تقریباً بیس مضامین کا تذکرہ کیا تھا جن میں سے بیشتر مضامین ”الشریعہ“ میں شائع شدہ ہیں۔ اس سلسلہ میں الشریعہ اکادمی کی ویب سائٹ (www.alsharia.org) پر موجود الشریعہ کے شماروں پر ایک سرسری سی نظر ڈالی اور کچھ مزید مضامین تک رسائی ممکن ہوئی، ذیل میں چند ایک ذکر کیے جا رہے ہیں۔

رد غامدیت اور ماہنامہ الشریعہ

محترم حافظ محمد زبیر صاحب، ریسرچ ایسوسی ایٹ، قرآن اکیڈمی، لاہور کے تقریباً سات مضامین اور دو خطوط شائع ہوئے۔ جو کچھ یوں ہیں۔

(۱) کیا قرآن قطعی الدلالة ہے؟

(چار طویل اقساط میں شائع ہوا، نومبر، دسمبر ۲۰۰۷ء، جنوری، فروری ۲۰۰۸ء)

(۲) حلال و حرام اور غامدی صاحب کا تصور فطرت (جون ۲۰۰۸ء)

(۳) غامدی صاحب کے اصولوں کا ایک تنقیدی جائزہ (مئی ۲۰۰۶ء)

(۴) غامدی صاحب کے تصور سنت کا تنقیدی جائزہ (ستمبر ۲۰۰۶ء)

(۵) غامدی صاحب کے تصور فطرت کا تنقیدی جائزہ (فروری ۲۰۰۷ء)

(۶) قراءات متواترہ کے بارے میں غامدی صاحب کے موقف کا تنقیدی جائزہ

(جون ۲۰۰۷ء)

(۷) کیا فطرت أصلاً یا تبعاً مصدر شریعت ہے؟ (مئی ۲۰۰۸ء)

حافظ صاحب کے دو مکتوب ایک (مارچ ۲۰۰۹ء) اور ایک (اگست ۲۰۰۷ء) میں شائع ہوا۔

(۸) اسلام اور تجدید پسندی (دسمبر ۲۰۰۵ء) از ڈاکٹر محمد امین صاحب۔

(۹) غامدی صاحب کے ایک سوال کا جواب (اکتوبر ۲۰۱۲ء) از مولانا حافظ زبیر علی زئی

صاحب مرحوم۔

(۱۰) غامدی صاحب کے نظریہ اخلاق کا تنقیدی جائزہ (فروری ۲۰۰۸ء) از محمد

زاہد صدیق مغل صاحب۔ تلك عشرة كامله۔

اس کے علاوہ اس موضوع پر اور بھی کئی خطوط و مضامین الشریعہ کی فائلوں میں منتشر ہیں۔ یہاں صرف انہیں کے بیان پر اکتفاء کیا جا رہا ہے۔

علامہ راشدی پر رافضیت نوازی کا الزام

محترم مولانا محمد عبدالرحیم چاریاری صاحب نے اپنی کتاب ”نوازشات“ کے پانچویں باب کو ”علامہ زاہد الراشدی صاحب کی رافضیت نوازی“ کا عنوان دیا ہے۔ چاریاری صاحب گزشتہ ابواب کی طرح اس باب میں بھی کوئی قابل ذکر ”نوازش“ کا تذکرہ تو نہ کر سکے، البتہ بات کا پرہیز اور رائی کا پہاڑ بنانے کی روایت کو قائم رکھا گیا۔ قارئین اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ ”رافضیت نوازی“ اور ”شیعیت نوازی“ کا یہ الزام مشائخ نصرۃ العلوم بالخصوص بانی جامعہ پر بھی بہت پرانا ہے۔ ہمارے مدوح چاریاری صاحب جیسے ہی کسی جذباتی شخص نے جامعہ نصرت العلوم میں موجود مفسر اعظم قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان صاحب سواتی نور اللہ مرقدہ کی مشہور زمانہ تفسیر ”معالم العرفان فی دروس القرآن“، ”دروس الحدیث“ اور ”خطبات سواتی“ وغیرہ کتب پر مشتمل گودام کو صرف اس وجہ سے آگ لگا دی تھی کہ حضرت صوفی صاحب نے اپنے دروس و خطبات میں اہل تشیع کو اگرچہ گمراہ کن مگر مسلمانوں کا باقاعدہ ایک فرقہ تسلیم کیا ہے، اور بحیثیت مجموعی وہ علی الاطلاق تکفیر شیعہ کے بھی قائل نہیں تھے بلکہ ضروریات دین کا انکار کرنے والوں کے بارے میں شخصی یا ذیلی گروہ کے حوالے سے تکفیر کے قائل تھے اور اسی بنا پر وہ مشترکہ ملی و قومی تحریکات میں اہل تشیع کی شمولیت کے حق میں تھے۔ مفکر اسلام علامہ راشدی پر ”رافضیت نوازی“ کا یہ الزام بھی مفسر قرآن کے اسی نظریہ سے مطابقت رکھنے کی وجہ سے لگایا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ تکفیر شیعہ سے متعلق یہ نظریہ حضرت مفسر اعظم قرآن کے تفردات میں سے نہیں ہے بلکہ محقق اہل علم اور معتمد مفتیان کرام اور اکابر علماء دیوبند کی ایک اچھی خاصی تعداد بلکہ عملاً جمہور اہل السنۃ والجماعۃ علماء دیوبند اسی نظریہ پر کاربند ہیں، مثلاً تعلیمی میدان میں اتحاد تنظیمات مدارس اسلامیہ کا اسٹیج، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا اسٹیج، اور جمعیت علماء اسلام کے قومی و ملی اتحادات

کے اسٹیج اور مسلم پرسنل لاء بورڈ وغیرہ اور اگر اسی بنیاد پر ”رافضیت نوازی“ کے سٹمپ کیٹ جاری کر نیکی مہم شروع کر دی جائے تو چار یاری صاحب کے فرشتوں کو بھی اس بات کا علم نہیں ہے کہ اس کی زد میں کون کون آئے گا، سوچ بچار (جس کا بے حد فقدان ہے) کر کے انہیں اس کے ممکنہ نتائج پر بھی ایک نظر کر لینی چاہیے۔

اس باب میں چار یاری صاحب نے ماہنامہ الشریعہ گوجرانوالہ میں شائع ہونے والے دو مضامین پر احتجاج کیا ہے۔ پہلا مضمون ”شیعو اور سنیو! تاریخ سے سبق سیکھو“ مشہور شیعہ عالم سید فخر الحسن کراروی کا ہے جو جنوری ۲۰۰۵ء کے شمارہ میں شائع ہوا، جبکہ دوسرا مضمون ”شیعہ سنی تعلقات اور متوازن رویہ۔ ایک شیعہ عالم کے خیالات“ انڈیا کے مشہور دانش ور ڈاکٹر یوگندر سکندر (ریڈر شعبہ اسلامیات ہمدرد یونیورسٹی، دہلی) کا ہے جو اگست ۲۰۰۴ء کے شمارہ میں شائع ہوا۔ ان دونوں مضامین کا مرکزی نقطہ شیعہ سنی اتحاد سے متعلق ہے جو کہ چار یاری صاحب کے نزدیک ناقابل عمل بلکہ انتہائی مطعون و ملعون چیز ہے۔ ان مضامین سے متعلق دو بنیادی باتیں یاد رہیں کہ

❀ یہ مضامین ماہنامہ الشریعہ میں بحث و مباحثہ کی پالیسی کے تحت شائع کئے گئے ہیں، اس لیے مولانا راشدی کا ان مضامین کے مندرجات سے اتفاق ضروری نہیں ہے۔

ردِ رافضیت اور ماہنامہ الشریعہ

❀ ”رافضیت نوازی“ کا الزام تو اس وقت صادق آ سکتا تھا کہ جب ”الشریعہ“ میں اس موضوع کے صرف یک طرفہ مضامین کی اشاعت عمل میں لائی گئی ہوتی، جبکہ الشریعہ کے صفحات شاہد ہیں کہ اس میں علی الاطلاق تکفیر شیعہ کے قائلین اور شیعہ سنی اتحاد کی نفی کے حامی افراد کے مضامین و خطوط کو اچھی خاصی جگہ دی گئی ہے، اس سلسلہ میں بھی بیسیوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں اور ”الشریعہ“ کی سابقہ فائلوں پر نظر رکھنے والے اصحاب علم اس بات سے اچھی طرح آگاہ ہیں۔ راقم الحروف نے ایک سرسری سی نظر ڈال کر ہی اس سلسلہ میں خاصہ مواد حاصل کر لیا، ملاحظہ فرمائیے۔

- (۱) ”شیعو اور سنیو“ کے بارے میں گزارشات (مارچ ۲۰۰۵ء) از حافظ محمد قاسم صاحب
 (۲) تکفیر شیعہ سے متعلق ”مفتی محمد زاہد صاحب کے موقف پر ایک تحقیقی نظر“
 (دوا قسط میں شائع ہوا، اگست، ستمبر، ۲۰۱۳ء) از مولانا حافظ محمد عبدالجبار سلفی صاحب۔
 (۳) قومی و ملی تحریکات میں اہل تشیع کی شمولیت (دو قسطوں میں شائع ہوا، مارچ،
 اپریل ۲۰۱۱ء) از محمد یونس قاسمی صاحب۔

(۴) کیا شیعہ سنی اتحاد ممکن ہے؟ (مارچ ۲۰۰۵ء) از ڈاکٹر سید منظر تمنائی صاحب۔

(۵) تکفیر شیعہ سے متعلق چند ضروری وضاحتیں (جولائی ۲۰۰۵ء) از حافظ عبدالرشید صاحب۔

(۶) اہل تشیع کی تکفیر کا مسئلہ۔ حافظ محمد عثمان صاحب (اکتوبر ۲۰۰۵ء)

اس کے علاوہ اسی سلسلہ میں مندرجہ ذیل احباب کے مکاتیب بھی مختلف شماروں میں
 شائع ہوئے۔

- (۱) حافظ ارشاد احمد دیوبندی (ستمبر ۲۰۰۴ء)۔ (۲) مولانا محمد عبدالجبار سلفی (نومبر
 ۲۰۱۳ء)۔ (۳) جناب عبدالفتاح محمد، عربی اردو دونوں زبانوں میں (جون ۲۰۱۳ء)۔
 (۴) محمد حمزہ بلال ہنجر (اگست ۲۰۱۳ء)۔ (۵) محمد یونس قاسمی (اپریل ۲۰۱۲ء)۔ (۶) محمد
 یونس قاسمی (مارچ ۲۰۱۱ء)۔ (۷) محمد عبدالمنان معاویہ (اپریل ۲۰۱۱ء)۔ (۸) حافظ محمد حسن
 الحسینی (مئی ۲۰۱۱ء)۔ (۹) سید حسین احمد مدنی (جنوری ۲۰۱۰ء)۔ (۱۰) حافظ محمد عثمان (فروری
 ۲۰۱۰ء)۔ (۱۱) محمد یونس قاسمی (مارچ ۲۰۱۰ء)۔ (۱۲) حافظ محمد عبدالجبار سلفی (مارچ
 ۲۰۱۰ء)۔ (۱۳) محمد یونس قاسمی (مئی ۲۰۱۰ء)۔ (۱۴) محمد حسین احمد مدنی (اپریل ۲۰۱۰ء)۔
 (۱۵) حافظ محمد عثمان (اگست ۲۰۰۵ء) وغیرہ۔

اس کے باوجود ”ون وے ٹریک“ چلانے کا مشورہ بلکہ جبری حکم دینے کا معاملہ ایسے
 ہی ہے جیسا کہ ہمارے مخدوم چاریاری صاحب اپنی رہائش گاہ پر شیعہ سنی اختلافات میں سے
 کسی ایک موضوع پر دونوں فریقوں کے درمیان مناظرہ کا اہتمام کریں اور شیعہ مناظر کو یہ کہہ
 کر اپنا موقف پیش کرنے سے روک دیں کہ جگہ میری، متعین کردہ وقت میرا اور یہاں پر بیٹھے

احباب میرے نظریہ کے قائل ہیں تو آپ کون ہوتے ہیں اپنے موقف پر دلائل بیان کرنے والے۔ سرکار! اس طرح تو مناظرہ نہیں ہو سکتا۔ ٹھیک اسی طرح بحث و مباحثہ بھی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک فریق ثانی کے دلائل کو پوری امانت اور دیانت کے ساتھ پیش نہ کیا جائے۔ (ماہنامہ الشریعہ کی بحث و مباحثہ کی پالیسی سے متعلق مزید تفصیل انشاء اللہ ہم کتاب ”نوازشات“ کے آخری باب ”آزاد فورم کیا ہے؟“ کے جائزہ میں پیش کریں گے)

خلفائے راشدینؓ کے فیصلے حجت شرعیہ ہیں

”رافضیت نوازی“ کے ضمن میں وہ جانشین امام اہل سنت علامہ راشدی دامت برکاتہم کی اس عبارت کو بھی زیر بحث لائے ہیں کہ ”(اسلام) اسلامی سوسائٹی کے ہر فرد کا یہ حق تسلیم کرتا ہے کہ وہ اپنے حق کیلئے آواز اٹھائے، حکمرانوں اور مقتدر طبقات پر تنقید کرے اور سوسائٹی کے مفاد کیلئے ہر سطح پر مشورہ دے۔ اسلام جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کا یہ مقام تسلیم نہیں کرتا کہ اس کی بات حرف آخر ہے۔ وہ خلفائے راشدین کو بھی مجتہد کے درجہ میں تسلیم کرتا ہے جن کی ہر بات میں خطا اور صواب دونوں کا احتمال موجود ہے اور ان کے کسی بھی فیصلے اور رائے سے اختلاف کی گنجائش موجود ہے۔“ (ماہنامہ الشریعہ، جولائی ۲۰۰۸ء)

مندرجہ بالا عبارت کے خط کشیدہ الفاظ سے محترم چاریاری صاحب نے انتہائی حیرت انگیز طور پر یہ مطلب اخذ کیا ہے کہ مفکر اسلام علامہ راشدی خلفائے راشدینؓ کے فیصلوں کو حجت شرعیہ نہیں تسلیم کرتے۔ اس مقام پر یہ امر قابل ذکر ہے کہ صحابہ کرامؓ اور خلفائے راشدینؓ کی آراء اور فیصلوں سے اختلاف کی گنجائش موجود ہونا ایک اور چیز ہے اور ان کے اجتماعی فیصلوں کا حجت شرعیہ ہونا ایک بالکل الگ چیز ہے، اور ان دونوں باتوں کو گڈ ٹڈ کر کے اپنی مرضی کا نتیجہ اخذ کرنا شدید بددیانتی کا مظہر ہے۔ عرض یہ ہے کہ بلاشبہ خلفائے راشدینؓ کے فیصلے حجت شرعیہ ہیں اور اس بارے میں مفکر اسلام حضرت علامہ راشدی رقمطراز ہیں کہ ”صحابہ کرامؓ کے اقوال کے دائرے میں رہنا اور اس سے باہر نہ نکلنا ایک ایسا اصول ہے جو نہ صرف حضرت امام ابو حنیفہؒ کے اجتہادات کی ایک اہم اساس ہے، بلکہ ”اہل السنۃ والجماعۃ“ میں

”الجماعۃ“ کا لفظ بھی اسی کی غمازی کرتا ہے، اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ ہر زمانہ میں نئی تعبیر و تشریح اور استدلال و استنباط کی گنجائش ہے اور ایسا ہمیشہ سے ہوتا آ رہا ہے۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس سے ماضی کے اجتہادات اور علمی تسلسل بالخصوص حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اجماعی فیصلوں اور رجحانات کہ نفی نہ ہو، بلکہ نیا استدلال و استنباط ماضی کے علمی تسلسل میں اضافہ اور اس کے ارتقاء کا باعث بنے۔“ (ماہنامہ الشریعہ، مئی جون ۲۰۰۹ء)

ایک اور مقام پر مختلف دلائل بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ”جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہؓ اور حضرت امام شافعیؒ کے ان ارشادات کی روشنی میں کسی معاملے کو طے کرتے وقت ترجیحات کی ترتیب یوں ہوگی۔

(۱) کتاب اللہ (۲) سنت نبویؐ (۳) خلفائے راشدینؓ کے فیصلے (۴) اجماع امت (۵) صلحاء امت کے فیصلے

تو اب بات یوں طے ہوئی کہ جن امور میں (۱) کتاب اللہ (۲) سنت نبویؐ (۳) خلافت راشدہ (۴) اجماع امت اور (۵) علماء امت کا کوئی واضح فیصلہ سامنے آچکا ہے، وہ طے شدہ امور ہیں، ان میں ترمیم و تبدل یا جدید اصطلاح میں قانون سازی کی گنجائش نہیں ہے۔“ (اسلام، جمہوریت اور پاکستان صفحہ ۵۶)

اور جہاں تک تعلق ہے اس بات کا کہ صحابہ کرامؓ اور خلفائے راشدینؓ کے فیصلوں سے اختلاف کی گنجائش موجود ہے۔ تو اس کی تفہیم کیلئے ایک حوالہ مفکر اسلام علامہ راشدی ہی کے ایک خطاب سے ملاحظہ فرمائیں، جانشین امام اہل سنت ”فہم قرآن میں عورت کا کردار“ کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ ”قرون اولیٰ میں جنہیں ہم خیر القرون کہتے ہیں یعنی ہمارے آئیڈیل (مثالی) دور، ہمارے آئیڈیل زمانے کون سے ہیں یعنی صحابہؓ کا زمانہ، تابعینؓ کا زمانہ، اتباع تابعینؓ کا زمانہ، ان کو ہم اپنی اصطلاح میں خیر القرون کہتے ہیں اور میں ان کا ترجمہ کرتا ہوں آئیڈیل دور، یہ قیامت تک کے لیے ہمارے آئیڈیل دور ہیں۔ ان زمانوں میں عورت کا فہم قرآن کتنا بلند تھا اس پر ایک واقعہ عرض کرتا ہوں۔

حافظ ابن کثیرؒ نے ”تفسیر ابن کثیر“ میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ کے زمانہ کی بات ہے کہ خلیفہ راشد تھے، امیر المومنین تھے، سربراہ مملکت تھے اور ان سب سے ہٹ کر حضرت عمرؓ تھے۔ حضرت عمرؓ خود ایک ٹائٹل ہے۔ امیر المومنین ہونا الگ ٹائٹل ہے اور بذات خود حضرت عمرؓ نے جمعہ کے روز مسجد میں خطبہ میں اعلان کر دیا، آرڈیننس جاری کر دیا کہ لوگ شادی میں مہر کی رقم مقرر کرتے وقت جوش و خروش میں مہر کی رقم زیادہ مقرر کر لیتے ہیں لیکن بعد میں جب ادائیگی کی باری آتی ہے تو ادھر ادھر دیکھتے ہیں۔ ہم سے آ کر پوچھتے ہیں، مولوی صاحب دس لاکھ مہر مقرر کیا تھا سارا ہی دینا ہے، ہم کہتے ہیں جی ہاں! سارا ہی دینا ہے کیونکہ عورت کا حق ہے۔ خیر پھر جھگڑے ہوتے ہیں اور بڑے مسئلے کھڑے ہوتے ہیں اور اگر میں جملہ معترضہ کے طور پر عرض کروں تو شاید آپ بھی میری تائید کریں گے، عورت آج بھی ہمارے معاشرے میں مظلوم ہے ۸۰ فیصد عورتوں کو مہر نہیں ملتا اور ۹۵ فیصد عورتوں کو وراثت نہیں ملتی، میں تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔

حضرت عمرؓ نے کہا مہر میں لوگ بڑی بڑی رقمیں مقرر کر لیتے ہیں اور پھر جھگڑا ہوتا ہے، میں یہ قصہ ہی ختم کرتا ہوں۔ میں یہ پابندی لگا رہا ہوں کہ چار سو درہم سے زیادہ کسی نکاح میں مہر مقرر نہ کیا جائے، یہ حکم جاری کر دیا، آپ موٹا حساب سمجھ لیں کہ چار سو درہم موجودہ کرنسی میں تقریباً ۱۰ ہزار روپے بنتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے حکم جاری کر دیا کہ دس ہزار روپے سے زیادہ کسی شادی میں مہر مقرر نہ کیا جائے۔ حکم کس نے جاری کیا؟ امیر المومنین خلیفہ راشد حضرت عمرؓ نے، خطبہ سے فارغ ہو کر باہر نکلے۔ ایک قریشی عورت (جس کا نام نہیں لکھا) نے راستے میں روک کر کہا، امیر المومنین آپ نے مہر کی رقم پر پابندی لگا دی ہے فرمایا جی ہاں، آپ کو کس نے اختیار دیا ہے، آپ نے قرآن نہیں پڑھا۔ کون کہہ رہی ہے، کس کو کہہ رہی ہے۔ آپ تصور کیجیے راہ جاتی ایک عورت کہہ رہی ہے اور کس کو کہہ رہی ہے امیر المومنین حضرت عمرؓ کو، آپ نے قرآن نہیں پڑھا۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں امام بخاریؒ کہتے ہیں ”کان وقفا عند

کتاب اللہ “ قرآن پاک کا حوالہ آنے پر رک جایا کرتے تھے۔ قرآن پاک کا حوالہ آنے پر حضرت عمرؓ کے پاؤں بریک پر خود بخود پہنچ جایا کرتے تھے۔ جب تک اگلی بات نہیں آتی اس وقت تک قدم نہیں اٹھاتے تھے۔ ایسے ہی جیسے کسی بھی سمجھ دار ڈرائیور کے پاؤں سرخ ہتی دیکھ کر خود بخود بریک پر چلے جاتے ہیں، بریک لگ جاتی ہے سٹاپ ہو جاتے ہیں، اس پر امام بخاریؒ نے واقعات نقل کئے ہیں ان کو چھوڑ رہا ہوں۔ کھڑے ہو گئے اور پوچھا قرآن میں یہ مسئلہ کہاں ہے، عورت نے کہا میں بتاتی ہوں اور یہ آیت پڑھی ”وان اتیتم احدھن قنطارا فلا تاخذوا منھ شیا“ اگر تم اپنی بیویوں کو ڈھیر ساری دولت بھی دے دو تو واپس نہ مانگنا شروع کر دو۔ جو دے دی ہے وہ دے دی ہے ان کی ملکیت ہو گئی ہے۔ مہر ہے یا ہبہ جو بھی کہو واپس نہ مانگنا شروع کر دو۔ قرآن پاک نے اس پس منظر میں یہ بات کی لیکن اصطلاح یہ استعمال کی کہ اگر تم عورتوں کو ڈھیر ساری دولت بھی دے دو تو واپس مت مانگو، اپنی مرضی سے دے دیں تو دے دیں۔ خاتون کہنے لگی امیر المؤمنین قرآن ہمیں خاوندوں سے جب دلواتا ہے تو ڈھیروں کے پیانے میں دلواتا ہے اور آپ کہتے ہیں چار سو درہم سے زیادہ مت دو۔ دلیل سمجھ نہیں آئی؟۔

حضرت عمرؓ وہیں کھڑے ہو گئے، واپس مسجد میں جا کے اعلان فرمایا کہ لوگو میں نے اعلان کر کے مہر کی رقم پر پابندی لگائی تھی، ایک عورت نے مجھے قرآن کا حوالہ دے کر روک لیا ہے، بخدا قرآن کی اس آیت کی طرف میرا دھیان نہ تھا، اس عورت نے توجہ دلائی تو دھیان ہوا، وہ عورت ٹھیک کہتی ہے میرا فیصلہ غلط تھا اپنا فیصلہ واپس لیتا ہوں“۔ (خطبات راشدی جلد ۱ صفحہ ۵۰)

ایک استفسار کا جواب

اس عبارت (صحابہ کرامؓ اور خلفائے راشدینؓ کے کسی بھی فیصلے اور رائے سے اختلاف کی گنجائش موجود ہے) پر اعتراض سے متعلق ایک ساتھی نے براہ راست جانشین امام اہل سنت سے استفسار کیا تو انہوں نے کمال شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے تحریری طور پر اس کا جواب عنایت فرمایا جو موقع کی مناسبت سے ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔ فرماتے ہیں

کہ ”حضرات صحابہ کرامؓ کا اجماع اور خلفائے راشدینؓ کے فیصلے بلاشبہ حجت ہیں، لیکن کیا خلفاء راشدینؓ کے فیصلوں سے اختلاف کی گنجائش نہیں تھی اور کیا اس دور میں ان کے فیصلوں سے اختلاف نہیں کیا گیا؟ مثلاً

(۱) حضرت صدیق اکبرؓ نے بیت المال سے وظائف کی تقسیم میں مساوات کا اصول اختیار کیا تھا مگر حضرت عمرؓ نے ان کے اس فیصلے سے اختلاف کرتے ہوئے درجہ بندی کا اصول اختیار کیا اور پورا نظام تبدیل کر دیا۔

(۲) حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے حج تمتع سے منع کر دیا تھا جبکہ حضرت علیؓ اور حضرت عمران بن حصینؓ کا اس سے کھلا اختلاف احادیث کے ذخیرہ میں موجود ہے اور آج بھی حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے اس موقف پر عمل نہیں ہو رہا۔

(۳) حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جنبی کے لیے یتیم کی اجازت نہیں دیتے تھے جبکہ جمہور صحابہؓ نے اس سے اختلاف کیا اور آج بھی اس فتویٰ پر عمل نہیں ہو رہا۔

(۴) حضرت عمرؓ کے دور میں شرابی کے لیے اسی ۸۰ کوڑے کی سزا مقرر کرنے کا باہمی مشاورت کے ساتھ فیصلہ ہوا مگر حضرت علیؓ نے اس کے بارے میں تحفظات کا اظہار کیا جو صحیح احادیث میں موجود ہے۔

(۵) خلفائے راشدینؓ کے متعدد انتظامی فیصلوں اور احکام سے عام صحابہؓ نے اختلاف کیا اور اس کا کھلم کھلا اظہار کیا جن پر بعض فیصلوں سے انہیں رجوع بھی کرنا پڑا۔

(۶) رائے کا اختلاف تو جناب نبی اکرمؐ نے بھی تسلیم کیا ہے جس کی واضح مثال عزوہ احد میں اپنی رائے کے خلاف عام صحابہ کرامؓ کی رائے کو قبول کرنا ہے۔

(۷) یہ مسلمہ بات ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ کی حیثیت مجتہد کی تھی امام معصوم کی نہیں تھی جس کے فیصلوں میں خطا کا احتمال نہ ہو اور ان کا ہر فیصلہ امت کے لیے ہر حال میں تسلیم کرنا واجب ہو۔

(۸) حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے پہلے خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا کہ

ان استقامت فاعینونی اون انازغت فقومونی

اگر میں سیدھا چلوں تو میرا ساتھ دو اور اگر ٹیڑھا چلے لگوں تو مجھے سیدھا کر دو۔

کیا یہ عام لوگوں کا رائے اور اختلاف کا حق تسلیم کرنے کا اعلان نہیں تھا؟

اس لیے صحابہ کرامؓ کے اجتماعی تعامل اور خلفاء راشدینؓ کے فیصلوں کا حجت ہونا اپنی جگہ بالکل درست ہے لیکن اس سے اختلاف کے حق کی نفی نہیں ہوتی اور دونوں باتوں کو خلط ملط کر کے اس سے اپنی مرضی کا نتیجہ نکالنے کی کوشش کرنا صحیح طرز عمل نہیں ہے جبکہ حضرت امام اعظمؒ کے ارشاد گرامی کا مطلب بھی یہی ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ اور خلفاء راشدینؓ کے باہمی اختلاف کے دائرے کو تسلیم کرتے ہیں البتہ جس مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کا باہمی اختلاف موجود ہے اس میں ان کے اقوال کے دائرے سے باہر نکل کر الگ قول اختیار کرنے کو پسند نہیں کرتے اور یہ بات اختلافات کی نفی کرنے کے بجائے انہیں تسلیم کرنے پر مبنی ہے۔“

دیگراں رانصیحت خود میاں فضیحت

یہ بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ محترم چاریاری صاحب یہ عبارت (صحابہ کرامؓ اور خلفائے راشدینؓ کے کسی بھی فیصلے اور رائے سے اختلاف کی گنجائش موجود ہے) ”رافضیت نوازی“ کے ضمن میں کیوں زیر بحث لائے ہیں۔ واللہ اعلم کہ ان کے ذہن میں کون سے ایسے نکتے کا نزول ہوا ہے جس نے انہیں مجبور کر دیا ہے کہ وہ اس عبارت کو ”رافضیت نوازی“ قرار دے رہے ہیں۔ بلاشبہ اس عبارت کو ”رافضیت نوازی“ قرار دینا ہر طرح سے محل نظر اور ظلم عظیم ہے بلکہ غور و فکر سے کام لیا جائے تو یہ عبارت اہل سنت اور اہل تشیع کے درمیان حد فاصل اور اہل تشیع کے ”نظر یہ امامت“ کی زبردست مخالفت پر مبنی ہے، چنانچہ اس سے متعلق جانشین امام اہل سنت علامہ راشدی صاحب فرماتے ہیں کہ ”(اہل سنت اور اہل تشیع کے بنیادی اختلافات میں) چوتھا فرق یہ ہے کہ امام اللہ تعالیٰ کا براہ راست نمائندہ ہونے کی حیثیت سے ”معصوم عن الخطاء“ ہے اور اس کی کسی بات کو خطاء سے موسوم نہیں کیا جاسکتا جبکہ خلیفہ معصوم نہیں ہے بلکہ اس کا شرعی درجہ مجتہد کا ہے اور مجتہد کے فیصلوں میں صواب اور خطاء

دونوں کا احتمال یکساں قائم رہتا ہے، ہمارا اہل سنت کا اصول ہے کہ ”المجتہد یخطی ویصیب“ مجتہد خطا کا مرتکب بھی ہوتا ہے اور صواب کا احتمال بھی رکھتا ہے۔ اس لئے مجتہد کی کسی بھی بات سے علمی دلیل کی بنیاد پر اختلاف کیا جاسکتا اور خلفاء راشدینؓ اور آئمہ مجتہدین کے فیصلوں سے اختلاف کیا جاتا رہا ہے مگر ”امام“ معصوم اور اس کی رائے میں خطا کا احتمال نہیں ہے۔ اس لئے اس کی کسی بات سے اختلاف نہیں کیا جاسکتا، جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دونوں بزرگوں کے خلیفہ کی حیثیت سے یہ پہلے خطبوں میں صراحت موجود ہے کہ ہم قرآن و سنت کے مطابق حکومت کریں گے اور یہی وجہ ہے کہ تم پر ہماری اطاعت ضروری ہے۔ اگر ہم قرآن و سنت کے پابند رہیں تو ہمارا ساتھ دو اور اگر ہم قرآن و سنت سے ہٹتے ہوئے نظر آئیں تو ہماری اطاعت تم پر ضروری نہیں ہے۔“ (ماہنامہ نصرت العلوم، مئی ۲۰۱۱ء)

جانشین امام اہل سنت علامہ زاہد الراشدی دامت برکاتہم پر ”رافضیت نوازی“ کی پھیبتی کسنے والے ہمارے مخدوم عبدالرحیم چاریاری صاحب خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فیصلوں سے اختلاف کی نفی کر کے رافضیوں کے ”نظریہ امامت“ کو زبردست تقویت پہنچا رہے ہیں۔ خود تو محترم جناب رافضیوں کے ”نظریہ امامت“ کے قائل نظر آتے ہیں اور طعن مولانا راشدی صاحب کو دے رہے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

مولانا زاہد الراشدی فرماتے ہیں: ”اختلاف رائے کے مختلف دائرے ہیں اور ہر دائرے کے الگ الگ احکام ہیں۔ مثلاً (۱) تکفیر (۲) تھلیل (۳) تفسیق (۴) تجہیل (۵) تحطہ اور (۶) ترجیح کے مستقل دائرے ہیں جن کے الگ الگ تقاضے اہل علم کے ہاں مسلم ہیں اور ہر دور میں ان کا احترام کیا جاتا رہا ہے، مگر ہم نے ان مختلف دائروں کو اس طرح آپس میں گڈمڈ کر رکھا ہے کہ کچھ پلے نہیں پڑتا کہ کون صاحب کس دائرے کی بات کر رہے ہیں اور بسا اوقات ”کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی“ کی کیفیت نظر آنے لگتی ہے بات رائج و مرجوح کی ہوتی ہے اور ہم ناسخ و منسوخ کے لہجے میں بات کر رہے ہوتے ہیں، زیر بحث مسئلہ تعبیر و تشریح کا ہوتا ہے مگر ہم تکفیر و تھلیل کے ہتھیار اٹھا کر اس کا تیا پانچ کرنا شروع کر دیتے ہیں اور صورت مسئلہ صواب و خطا کے دائرے کی ہوتی ہے، مگر اسے حق و باطل کا معرکہ بنائے بغیر ہماری تسلی نہیں ہوتی“ (ماہنامہ الشریعہ، اکتوبر ۲۰۱۱ء)

تقریظات کا مسئلہ

محترم مولانا محمد عبدالرحیم چاریاری صاحب نے اپنی کتاب ”نوازشات“ کے چھٹے باب کو ”علامہ زاہد الراشدی صاحب کی مودودیت نوازی“ اور آٹھویں باب کو ”علامہ زاہد الراشدی صاحب کی بریلویت نوازی“ کا عنوان دیا ہے۔ ان دونوں ابواب میں انہوں نے ایک خود ساختہ اصول (جو اکابر علماء دیوبند کثر اللہ جماعتہم کے مزاج و مذاق سے بالکل بھی میل نہیں کھاتا) کے تحت مولانا راشدی کو مودودیت نوازی اور بریلویت نوازی کا مورد الزام بھی ٹھہرایا ہے۔ چاریاری صاحب محترم کا اصول یہ ہے کہ جس کسی مکتبہ فکر کے مصنف کی کتاب پر ”تقریظ“ ”پیش لفظ“ یہاں تک کہ ”رائے“ بھی لکھی جائے گی، باوجود اس کے کہ اس میں اپنے موقف کی پوری وضاحت، اور تنقیدی اقتباس وغیرہ بھی درج ہوں، وہ اس مکتبہ فکر پر ایک قسم کی نوازش ہوگی۔ اب چونکہ

☆ مفکر اسلام مولانا زاہد الراشدی صاحب نے مولانا معین الدین خٹک (مودودی مکتبہ فکر) سابق شیخ الحدیث جامعہ عربیہ گوجرانوالہ کی کتاب ”معین القاری شرح صحیح البخاری“ پر صرف اور صرف اپنی ”رائے“ لکھی ہے، لہذا وہ مودودیت نواز ہیں۔

☆ گوجرانوالہ کے معروف سکالر اور ہر دل عزیز شخصیت محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر عبد الماجد حمید المشرقی صاحب کی کتاب ”انوار خاص“ پر ”تقریظ“ لکھی ہے اور بقول چاریاری صاحب کے ڈاکٹر مشرقی صاحب بریلوی ہیں، لہذا علامہ راشدی بریلویت نواز ہیں۔

لطف کی بات یہ ہے کہ چاریاری صاحب محترم کا یہ اصول جانشین امام اہل سنت علامہ راشدی صاحب کے ساتھ ہی خاص ہے جو صرف مولانا کے لیے ہی تیار کیا گیا ہے اور اسی لیے وہ اس اصول پر کسی اور کو پرکھنا ہی نہیں چاہتے اور اگر وہ اسے آزما لیتے تو ان پر اس کی حقیقت بھی

واضح ہو جاتی۔ ہم پورے اعتماد اور شرح صدر کے ساتھ یہ کہتے ہوئے کوئی حجاب محسوس نہیں کرتے کہ یہ اصول نہ صرف یہ کہ غلط ہے بلکہ انتہائی خطرناک بھی ہے۔ اس لیے کہ اکابر علماء دیوبند زاد اللہ کثر تہم دوسرے مسالک کے علماء کی کتابوں پر ”تقریظات“ لکھتے رہے ہیں اور اپنی کتابوں پر ان سے ”تقریظات“ وغیرہ لکھواتے بھی رہے ہیں۔ اسی حوالہ سے ماہنامہ نصرت العلوم (دسمبر ۲۰۰۹ء) میں مفکر اسلام حضرت مولانا علامہ زاہد الراشدی صاحب کا عادلانہ دفاع کرتے ہوئے استاذ العلماء حضرت مولانا محمد فیاض خان سواتی دامت ظلہم نے ”جانشین امام اہل سنت کے ناقدین کے نام کھلا خط“ تحریر فرمایا تھا جس میں وہ رقمطراز ہیں کہ ”دیگر مسالک کے مصنفین کی کتب پر تقریظ نہیں لکھنی چاہیے، اگر معترضین کے اذہان میں ایسا ہے تو ہمارے خیال اور معلومات کے مطابق ان کا یہ نقطہ نظر درست نہیں ہے بلکہ اکابرین علماء دیوبند کے طرز و روش سے عدم واقفیت کی بین دلیل ہے، اس پر بیسیوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں صرف تفہیم کے لئے ایک عرض کی جاتی ہے، عصر حاضر میں قائد اہل السنۃ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین چکوالیؒ فاضل دیوبند جو مسلک دیوبند کے بے لوث اور بے پلک راہنما تھے اور اسی مسلکی بنیاد پر انہوں نے جمعیۃ علماء اسلام کے جمہور علماء دیوبند سے علیحدگی اختیار کر کے تحریک خدام اہل السنۃ والجماعۃ کی بنیاد رکھی تھی اور خلافت راشدہ حق چار یارؑ کے نعرہ کے وہ بانی سمجھے جاتے ہیں انہوں نے حضرت مولانا محمد نافع جھنگوی زید مجدہ فاضل دیوبند کی تصانیف کی بڑی مدح فرمائی ہے، خصوصاً ”رحماء بینہم“ پر توجید علماء دیوبند نے تصدیقات بھی لکھی ہیں، آپ کی معلومات کے لئے صرف یہ لکھا جا رہا ہے کہ اس کتاب پر تصدیقات و تقریظات لکھنے والوں میں مندرجہ ذیل شخصیات بھی شامل ہیں۔

- 1 جسٹس پیر کرم شاہ الازہری بھیروی۔ (بریلوی مکتبہ فکر)
- 2 پیر محبت اللہ شاہ پیر آف جھنڈا سندھی۔ (اہل حدیث مکتبہ فکر)
- 3 مولانا اللہ یار خان چکڑالوی میانوالی۔ (متنازعہ دیوبندی)
- 4 رب نواز چچازاد خواجہ قمر الدین سیالوی۔ (بریلوی مکتبہ فکر)

- 5 پروفیسر محمد اسلم لاہوری۔ (مسلم لیگی)
- 6 مولانا محمد چراغ گوجرانوالوی۔ (مودودی مکتبہ فکر)
- 7 مولانا محمد اسحاق صدیقی ندوی سندیلوی۔ (خارجی مکتبہ فکر)

(تفصیلات کیلئے دیکھیں رحماء بینہم کا ابتدائیہ اور ماہنامہ فقاہت لاہور ص ۵۵)

تا ۶۲ شمارہ ستمبر ۲۰۰۹ء)

غور فرمائیں علماء دیوبند اپنی کتب پر ان لوگوں سے تقریظات لکھواتے رہے ہیں اور قائد اہل السنۃ ایسی تصنیفات کی تائید اور مدح فرماتے رہے ہیں، سوال یہ ہے کہ جب ان مذکورہ شخصیات میں سے کوئی اپنی کتاب پر تقریظ لکھوانے کیلئے آپ کے پاس آئے گا تو آپ کے پاس تقریظ نہ لکھنے کا کیا جواز ہے؟ کیا شرعاً و اخلاقاً ایسا درست ہے؟ اگر آپ یہ تاویل کریں کہ انکی فکر صحیح نہیں ہے تو سوال یہ ہے کہ اپنی کتب پر ایسے افکار کے حاملین سے تقریظ لکھوانے کا کیا جواز ہے؟۔

نیز بدعتی لوگوں کی ایسی تعظیم و تکریم کہ اپنی کتب کے آغاز میں انکی تصدیقات و تقریظات درج کی جائیں، کیا بقول مخبر صادقؑ یہ اسلام کی عمارت ڈھانے کے مترادف نہیں ہے؟ اور کیا ایسی کتب کی مدح جائز ہوگی؟ اگر ایسا ہے تو پھر اس حمام میں سب ننگے ہیں، صرف مولانا راشدی کو مورد الزام ٹھہرانا اور باقیوں کی مدح سرائی دوہرا معیار ہے۔“

اکابر علماء دیوبند کی دوسرے مسالک کے علماء کی کتب پر تقاریظ

مولانا زاہد الراشدی صاحب پر مختلف قسم کے الزامات کے رد میں لکھے گئے اس مضمون پر پاکستان کے ایک بڑے دینی ادارہ کے ایک سابق مدرس کا اعتراض نامہ موصول ہوا تھا۔ جس میں اس موضوع سے متعلق مختلف سوالات اٹھائے گئے تھے، جس پر مولانا محمد فیاض خان سواتی نے ماہنامہ نصرت العلوم (جنوری ۲۰۱۰ء) میں مفصل جوابات رقم کیے تھے۔ ”تقریظات“ سے متعلقہ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ ”اکابر علماء دیوبند نے قدیماً و حدیثاً دیگر مسالک کے لوگوں کی کتب پر تقاریظ، تصدیقات، تاثرات اور تبصرے لکھے

ہیں اور لکھوائے بھی ہیں میں نے اپنے خط (جانشین امام اہل السنۃ کے ناقدین کے نام کھلا خط) میں صفحہ ۲۲ پر فاضل دیوبند کی ایک ہی کتاب پر مختلف مسالک کے ساتھ تقاریر لکھنے والوں کا حوالہ پیش کیا تھا جو آپ کی توجہ سے محروم رہا، بہر حال مزید ملاحظہ فرمائیں،

(۱) مسلک دیوبند کے سرخیل اسیر مالٹا شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ نے مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری مرحوم (غیر مقلد مکتبہ فکر) کی ”تفسیر القرآن بکلام الرحمن“ پر عربی میں تقریر لکھی ہے۔ (ص ۲)

عقائد دیوبند کی متفقہ دستاویز ”المہند علی المفند“ کے مرتب حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے بھی اسی تفسیر پر عربی میں تقریر لکھی ہے۔ (ص ۲) مؤرخ اسلام حضرت مولانا علامہ شبلی نعمانیؒ نے بھی اسی تفسیر پر عربی میں تقریر لکھی ہے۔ (ص ۲)

(۲) امام الاولیاء شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے ”ترجمہ قرآن“ پر متعدد علماء دیوبند کی آراء کے ساتھ مولانا محمد چراغ مرحوم (مودودی مکتبہ فکر) کی رائے بھی درج ہے۔ (ص ۱۴) حضرت لاہوریؒ کے مطبوعہ ۳۳ رسائل پر کئی مسالک کے علماء کی تصدیقات دیکھی جاسکتی ہیں، مثلاً ابوالبرکات سید احمد رضوی اور محمد دیدار علی رضوی (بریلوی مکتبہ فکر) (ص ۸۴) مولانا محمد چراغ مرحوم (مودودی مکتبہ فکر) (ص ۱۵۷) مولوی عبدالواحد غزنوی سلفی (غیر مقلد مکتبہ فکر) (ص ۵۴)

(۳) سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ کے ”ترجمہ القرآن المسمیٰ بہ کشف الرحمن“ جلد اول پر کئی اکابر علماء دیوبند کی آراء کے ساتھ مولانا عبدالوہاب آروی صدر آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس دہلی کی رائے بھی مطبوعہ ہے۔ (ج ۱ ص ۱)

(۴) ترجمان دیوبند امام اہل السنۃ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر فاضل دیوبند کی دو کتب ”احسن الکلام“ اور ”مقام ابی حنیفہؒ“ پر ان کے روایتی حریف سماع الموقی کے منکر اور جمعیۃ اشاعت التوحید والسنۃ پاکستان کے مرکزی راہنما مولانا قاضی شمس الدین مرحوم کی تقاریر موجود ہیں، ملاحظہ فرمائیں احسن الکلام (ص ۲۶) مقام ابی حنیفہؒ (ص ۲۷) (نیز امام

اہل السنۃ نے مشہور غیر مقلد عالم دین مولانا غلام رسول مرحوم قلعہ میہاں سنگھ والوں کی فارسی کتاب رسالہ تراویح کا مکمل اردو ترجمہ ینایع کے نام سے لکھا ہے اور اس پر مقدمہ بھی تحریر فرمایا ہے۔)

(۵) عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی امیر حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ العالی فاضل دیوبند نے ابو ہشام محمد اعجاز ایل (غیر مقلد اور منکر وسیلہ) کی کتاب ”زادِ عقش“ پر تقریظ لکھی ہے۔ (ملاحظہ فرمائیں ص ۷) اس کتاب پر دو غیر مقلدین اور تین دیگر دیوبندی علماء کی بھی تقریظات ہیں۔

(۶) حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی کتاب ”قاموس الفقہ“ پر کئی علماء دیوبند کی تقاریظ کے ساتھ ساتھ جلال الدین انصر عمری امیر جماعت اسلامی ہند دہلی (مودودی مکتبہ فکر) کی تقریظ بھی ہے (ملاحظہ فرمائیں ص ۱۸۲) رحمانی صاحب کی دوسری کتاب ”جدید فقہی مسائل“ پر مولانا شاہ امان اللہ قادری سجادہ نشین خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ کی تقریظ بھی ہے (ملاحظہ فرمائیں ج ۱ ص ۱۸)

(۷) حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی فاضل دیوبند کی کتاب ”محاسن موضح قرآن“ پر کئی علماء دیوبند کے تاثرات کے ساتھ محمد یوسف امیر جماعت اسلامی ہند (مودودی مکتبہ فکر) کے تاثرات بھی (بطور تقریظ) درج ہیں۔ (ملاحظہ فرمائیں ص ۲۸)

(۸) دارالعلوم حقانیہ اکوٹہ خٹک کے شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ المدنی مدظلہ العالی نے مولوی معین الدین خٹک مرحوم (مودودی مکتبہ فکر) کی بخاری شریف کی شرح ”معین القاری“ پر تقریظ لکھی ہے۔ (ملاحظہ ہو غامدیت کیا ہے ص ۲۵)

(۹) جامعہ اشرفیہ کے فاضل اور مشہور مؤرخ و مصنف حضرت مولانا حافظ قاری ریٹائرڈ بریگیڈیر فیوض الرحمن جدون مدظلہ کی کتاب ”مشاہیر علماء“ حصہ سوم پر مولانا محمد چراغ مرحوم (مودودی مکتبہ فکر) نے تقریظ لکھی ہے۔ (ملاحظہ فرمائیں ص ۸) اور مولانا چراغ مرحوم کی کتاب ”چراغ ہدایت“ پر سفیر ختم نبوت حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ نے ایک

طویل مقدمہ لکھا ہے جس میں انہوں نے مولانا چراغ کی کتاب ”العرف الشدی“ کی تعریف علامہ محمد انور شاہ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کے حوالہ سے نقل کی ہے (ملاحظہ ہو چراغ ہدایت ص ۲۸ تا ۲۸)۔

(۱۰) مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری مرحوم (غیر مقلد مکتبہ فکر) کی کتاب ”تعارف الاسماء“ ”شرح الاسماء الحسنی“ پر ہفت روزہ ”خدام الدین“ لاہور کا تبصرہ (بطور تقریظ) سب سے پہلے نمبر پر مطبوعہ ہے۔ (ملاحظہ فرمائیں تبصرہ خدام الدین لاہور ۱۱ فروری ۱۹۷۷ء)۔“ اور ان کے علاوہ

(۱۱) مشہور غیر مقلد اور احناف مخالف مولانا حافظ صلاح الدین یوسف کی کتاب ”خلافت و ملوکیت کی شرعی حیثیت“ پر مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی حسینی ندویؒ فاضل دیوبند، حضرت مولانا منظور احمد نعمانی (سابق رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند) اور شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے تاثرات و تصدیقات بھی درج ہیں۔ جبکہ مقدمہ محدث کبیر حضرت مولانا علامہ محمد یوسف بنوری صاحبؒ کا تحریر کردہ ہے۔ حافظ صلاح الدین صاحب کی احناف دشمنی کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب ”اہل حدیث کا منہج“ میں اکابر علماء دیوبند اور بالخصوص مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی نور اللہ مرقدہ کو بدعتی اور مفضی الی الشرک لکھا ہے۔

(۱۲) مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی حسینی ندویؒ فاضل دیوبند کی کتاب ”انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کے اثرات“ پر اخوان المسلمین مصر کے سربراہ سید قطب شہید (مولانا مودودی کے ہم فکر و ہم خیال) کا ”مقدمہ“ درج ہے۔

اب اگر چار یاری صاحب کی بات کو درست مانا جائے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مندرجہ بالا اکابر دیوبند بھی ”نوازشات کے بے تاج بادشاہ“ قرار پاتے ہیں، اور اگر ایسا نہیں ہے تو صرف مولانا زاہد الراشدی صاحب پر ہی فرد جرم عائد کرنا بہت بڑی زیادتی کی بات ہے۔

دیگر مسالک کے علماء کی کتب پر تبصرہ

مزید عرض یہ ہے کہ آج کل تبصرہ کتب بھی تقریظ ہی کے بمنزلہ سمجھا جاتا ہے، کیونکہ اکثر مصنفین اپنی کتب کے آئندہ ایڈیشنوں میں ان تبصرہ جات کو بطور تقریظ شامل اشاعت کر لیتے ہیں۔ اور اس بات سے احباب بخوبی آگاہ ہیں کہ تبصرہ کتب کے لیے معاصر ماہناموں اور مجلہ جات میں مسلکیت کی کوئی قید نہیں ہے۔ مثال کے طور پر

☆ عصر حاضر کے نامور فقیہ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کے ماہنامہ البلاغ کراچی میں تحریر کردہ تبصرہ جات کو یکجا کر کے کتابی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔ ”تبصرے“ نامی اس کتاب میں درج ذیل کتابوں پر تائیدی و تعریفی تبصرہ جات بھی موجود ہیں۔

(۱) شرح صحیح مسلم (اردو)۔ از علامہ غلام رسول سعیدی صاحب (بریلوی مکتبہ فکر)

(۲) اسلام کی نشاۃ ثانیہ۔ از ڈاکٹر اسرار احمد صاحب (بانی و سربراہ تنظیم اسلامی)

(۳) اسلام اور مغرب کے تہذیبی مسائل۔ از سید قطب شہید (مولانا مودودی کے ہم نوا)

(۴) آئین کی تدوین اور جمہوریت کا مسئلہ۔ از پروفیسر خورشید احمد صاحب (مولانا مودودی کے دست راست)

(۵) برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ۔ از مولانا محمد اسحاق بھٹی (غیر مقلد)

(۶) جادۂ منزل۔ از سید قطب شہید (مولانا مودودی کے ہم فکر)

(۷) چراغِ راہ سوشلزم نمبر۔ مرتب پروفیسر خورشید احمد صاحب (مدیر ماہنامہ ترجمان القرآن، بانی مولانا مودودی)

(۸) خدائی وعدہ۔ ڈاکٹر طہ حسین مصری (تجدد پسند)

(۹) سوشلزم یا اسلام۔ از پروفیسر خورشید احمد صاحب (نائب امیر جماعت اسلامی)

(۱۰) فقہائے ہند (جلد اول)۔ از محمد اسحاق بھٹی (غیر مقلد)

(۱۱) ماہنامہ ”محدث“۔ مدیر حافظ عبدالرحمن مدنی روپڑی (اہل حدیث)

☆ معروف صاحب علم و قلم شیخ الحدیث حضرت مولانا علامہ عبدالقیوم حقانی صاحب کے

ماہنامہ القاسم میں شائع شدہ تبصرہ جات کو ”حقانی تبصرے“ کے عنوان سے یکجا کر دیا گیا ہے۔ جس میں مولانا سعید الرحمن الخطیب (مماتی)، مولانا پروفیسر طاہر الہاشمی (یزیدی)، میاں محمد الیاس (مماتی) کی مختلف کتابوں پر تائیدی و تعریفی تبصرے درج ہیں۔

چاریاری صاحب کی خدمت میں مؤدبانہ گزارش ہے کہ وہ ”تقریظ“ ”رائے“ اور ”تائیدی تبصرہ“ میں کوئی ایسا فرق واضح کریں جو ان کی حیثیت کو جدا کرتا ہو۔ اور پھر تبصرے بھی ایسے کہ جنہیں تبصرہ نگار ہی کی جانب سے یکجا کر کے کتابی شکل دے کر ان کی افادیت کو دوچند کر دیا گیا ہو۔ اور اگر ان میں کوئی ایسا فرق موجود نہیں اور یقیناً نہیں ہے تو صرف مولانا راشدی کو اس معاملہ میں مورد الزام ٹھہرانا درست نہیں ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ چاریاری صاحب حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب اور حضرت مولانا علامہ عبدالقیوم حقانی صاحب کا نام اپنی کتاب کی پیشانی پر لکھ کر اپنی کتاب کی ویلیو (value) بڑھانے میں تو مصروف ہیں، مگر ان حضرات کی (چاریاری اصول کے مطابق) نوازشات انہیں نظر ہی نہیں آرہی ہیں۔ جبکہ مولانا راشدی کی شخصیت کو متنازعہ بنانے کی کوشش مسلسل وہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔

علامہ راشدی پر مودودیت نوازی کا الزام

جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ چاریاری صاحب نے کتاب نوازشات کے چھٹے باب کو ”علامہ زاہد الراشدی صاحب کی مودودیت نوازی“ کا عنوان دیا ہے۔ جس میں وہ مولانا معین الدین خٹک کی کتاب ”معین القاری شرح صحیح البخاری“ پر مولانا زاہد الراشدی صاحب کی مندرجہ ”رائے“ پر نوحہ کناں ہیں۔ جبکہ اکابر علماء دیوبند کے طرز عمل کی روشنی میں ہم سمجھتے ہیں کہ دیگر مسالک کے مصنفین کی کتابوں پر ”رائے“ ”تقریظ“ اور ”تائیدی تبصرہ“ وغیرہ تحریر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بلکہ یہ تو اکابر کی روایات کا تسلسل ہے، اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں ہوتا کہ تقریظ، تبصرہ اور رائے لکھنے والے نے دوسرے کا مسلک بھی اختیار کر لیا ہے یا اس کی منجملہ تائید و تصویب کر دی ہے بلکہ یہ بعض مخصوص عنوانات میں ان کی قلمی، تحقیقی، ادبی،

تاریخی، سیاسی، قومی اور ملی وغیرہ خدمات کا اعتراف ہوتا ہے، چنانچہ اس کتاب پر بھی مولانا راشدی کی جو ”رائے“ درج ہے اس میں مولانا راشدی نے مودودی صاحب کے حوالے سے ان کے شاگردوں کے دفاعی طرز عمل پر کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر فکری نقد بھی کیا ہے، مولانا راشدی لکھتے ہیں کہ ”مولانا معین الدین خٹکؒ کا تعلق کرک ضلع کوہاٹ سے تھا، انہوں نے دورہ حدیث مدرسہ شاہی مراد آباد (انڈیا) میں حضرت مولانا فخر الدینؒ سے کیا اور پھر پوری زندگی درس و تدریس میں گزار دی۔ وہ ان علمائے کرام میں سے تھے جنہوں نے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی طرف سے دینی عقائد و احکام کی تعبیرات و تشریحات میں بعض تفردات سامنے آنے پر ان سے اختلاف کرنے والے جمہور علماء کا ساتھ دینے کے بجائے ان تفردات کے دفاع کا راستہ اختیار کیا اور آخر وقت تک اس موقف پر قائم رہے۔ میری طالب علمانہ رائے میں اگر مولانا مودودیؒ کے تفردات کو بھی دوسرے اہل علم کی طرح تفردات ہی کے درجے میں رہنے دیا جاتا اور انہیں مستقل موقف کی حیثیت دے کر ان کے اثبات و دفاع میں اس درجہ شدت اختیار نہ کی جاتی تو اس معاملہ میں بہت سے بگاڑ سے بچا جاسکتا تھا۔“

حضرت مولانا راشدی صاحب کی اس عبارت میں دو باتیں بڑی واضح ہیں۔

(۱) مودودی صاحب کو دینی عقائد و احکام کی تعبیرات و تشریحات میں جمہور علماء کے موقف سے علیحدہ شمار کیا ہے۔

(۲) مولانا مودودی کے دفاع میں ان کے شاگردوں نے ہر حال میں انہیں برحق ثابت کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا اسے بگاڑ سے تعبیر کیا ہے۔

ایک اور مقام پر اسی نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے مفکر اسلام، جانشین امام اہل السنۃ حضرت مولانا علامہ زاہد الراشدی صاحب رقمطراز ہیں کہ ”ایک صاحب علم دوست نے مجھ سے سوال کیا کہ علمی تفردات میں مولانا ابوالکلام آزادؒ اور مولانا عبید اللہ سندھیؒ بھی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے پیچھے نہیں ہیں تو اس کی کیا وجہ ہے کہ ان کے تفردات علماء کے حلقہ میں اس شدت کے ساتھ موضوع بحث نہیں بنے جس شدت کے ساتھ مولانا مودودیؒ کے

افکار کو نشانہ بنایا گیا؟ میں نے عرض کیا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ مولانا سندھی اور ابوالکلام آزاد کے علمی تفردات پر ان کے شاگردوں اور معتقدین نے دفاع اور ہر حال میں انہیں صحیح ثابت کرنے کی وہ روش اختیار نہیں کی جو خود مولانا مودودی اور ان کے رفقاء نے ان کی تحریروں پر علماء کی طرف سے کیے جانے والے اعتراضات پر اپنالی تھی، چنانچہ اس روش کے نتیجے میں وہ جمہور علماء کے مد مقابل ایک فریق کی حیثیت اختیار کرتے چلے گئے اور بحث و مباحثہ کا بازار گرم ہو گیا۔ (عصر حاضر میں اجتہاد، صفحہ ۳۱۹)

مولانا راشدی ایک اور مقام پر مزید وضاحت سے لکھتے ہیں کہ ”مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے بعض افکار و نظریات اور دینی تعبیرات سے جمہور علماء کو اختلاف رہا ہے۔ اس کا اظہار شدت اور نرم روی کے دونوں لہجوں میں خاصا ہوا ہے اور اس کے دفاع میں بھی دونوں اسلوب یکساں کا فرما چلے آ رہے ہیں، جبکہ ہم اس معاملہ میں موقف کے حوالے بہر حال جمہور اہل علم کے ساتھ ہیں۔“ (الشریعہ، جولائی ۲۰۱۳ء)

اس عبارت کے حوالہ سے یہ کہا گیا ہے کہ مولانا راشدی مودودی صاحب کے نظریات کو ”اہل علم کے تفردات“ میں شامل کر کے امام اہل سنت اور جملہ اکابر علماء دیوبند کثر اللہ جماعت کی مساعی جیلہ پر پانی پھیر رہے ہیں۔ یہاں ناقدین نے پھر غلط بیانی اور چال بازی کا مظاہرہ کیا ہے، مولانا راشدی نے اپنا موقف بر ملا جمہور علماء کے ساتھ بیان کیا ہے، البتہ ساتھ اپنی رائے کا اظہار بھی کیا ہے، جو رائے کی حد تک ہے موقف نہیں ہے، ناقدین نے ان دونوں باتوں کو خلط ملط کر کے نتیجہ اپنا من پسند نکالا ہے اور ان کی یہی علت ہے کہ لکھنے والے یا بیان کرنے والے کے موقف کی وضاحت یہ خود طے کرتے ہیں جو وہ خود بیان کرتا ہے وہ انہیں منظور نہیں ہے، یاد رہے کہ اس رائے میں بھی مولانا راشدی متفرد نہیں ہیں بلکہ بعض اکابر علماء دیوبند کی آراء بھی ایسی ہی ہیں مثلاً اس حوالے سے محدث العصر حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیری سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کے ملفوظات قابل مطالعہ ہیں جن میں ان کے داماد اور معتمد خاص فاضل دیوبند اور مؤلف انوار الباری حضرت

مولانا سید احمد رضا بجنوریؒ کا ایک اقتباس بھی ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں کہ ”ہم مولانا مودودی صاحب کی وسعت نظر، کثرت مطالعہ اور جدید مسائل کو دل نشین اور مدلل طرز میں لکھنے کے امتیازات کی بڑی قدر کرتے ہیں، مگر جن مسائل میں وہ صرف اپنی دھنتے ہیں اور دوسروں کی نہیں سنتے یا کسی غلط فہمی کے تحت دوسروں کو بھی مغالطہ ڈال دیتے ہیں، اس طرز فکر یا انداز تحریر کی داد دینے سے ہم قاصر ہیں“۔ (ملفوظات محدث کشمیری صفحہ ۱۶۱)

مزید فرماتے ہیں کہ ”اس ایک صدی کے اندر جو کتب تفاسیر شائع ہوئیں، وہ بڑی حد تک غیر معیاری ہیں، تفسیر المنار مصری ہو یا سرسید کی تفسیر ہندی ہو، عنایت اللہ مشرقی کی تفسیر ہو یا مولانا آزاد کی ترجمان القرآن، مولانا عبید اللہ سندھی کی جدید تفسیر ہو یا مولانا مودودی کی تفہیم القرآن، مولانا فراہی کی تفسیر ہو یا مولانا امین احسن اصلاحی کی تدری قرآن، وغیرہ ان سب میں عمدہ تفسیری مواد کے ساتھ آزادی رائے اور تفردات کے نمونے بھی بہ کثرت پائے جاتے ہیں۔ ان سب میں سے (مولانا مودودی کی) تفہیم القرآن قابل ترجیح ہے اور جن جن مقامات میں تفاسیر جمہور کے مطابق انہوں نے تشریحات و تقریرات کی ہیں وہ قابل قدر ہیں۔ لیکن جن جن مقامات پر وہ جمہور مفسرین اور اکابر امت سے الگ ہو کر اپنے تفردات رقم کر گئے ہیں، وہ ظاہر ہے کہ قابل قبول نہیں ہو سکتے“۔ (ملفوظات محدث کشمیری صفحہ ۲۱۷)

مولانا بجنوریؒ، سید مودودی صاحب کی تفسیر ”تفہیم القرآن“ کو مولانا ابوالکلام آزادؒ کی تفسیر ”ترجمان القرآن“ اور مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی تفسیر پر ترجیح دے رہے ہیں اور ان کے نظریات کو تفردات بھی قرار دے رہے ہیں۔ خیر سے مولانا راشدی تو اکابر علماء دیوبند زاد اللہ کثر تہم کی مساعی جیلہ پر پانی پھیرنے کے مرتکب قرار پائے ہیں، پتہ نہیں مولانا بجنوریؒ کا کیا حشر ہوگا۔ اور صرف مولانا بجنوریؒ ہی نہیں اس پر اور بھی کئی ایک مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں، جیسے سید مودودی کے رد میں مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی حسینی ندویؒ (فاضل دیوبند) نے ”عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح“ کے عنوان سے اور حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ نے ”مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت اور اب میرا

”موقف“ کے نام سے کتاب لکھی ہے، جن میں مولانا مودودی صاحب کی تحریری و قلمی خدمات کا برملا اعتراف و اظہار کیا ہے۔ اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ مولانا راشدی نے کوئی ایسی بات نہیں کی جس کی بناء پر اکابر کی روش و طرز سے دوری لازم آتی ہو۔ اور پھر مولانا راشدی، سید مودودی کے حوالے سے اپنا موقف ان الفاظ میں برملا ادا کر چکے ہیں کہ ”موقف کے حوالے سے بہر حال ہم جمہور اہل علم کے ساتھ ہیں۔“

لیکن کیا کیا جائے ”میں نہ مانوں“ کا دنیا میں کسی کے پاس کوئی علاج نہیں ہے، اللہ ہی ہدایت نصیب فرمائے۔

اس سلسلہ میں ایک لطیفہ کی بات یہ رونما ہوئی ہے کہ ناقدین راشدی جس عبارت کو ”مودودیت نوازی“ قرار دے رہے ہیں اسی قسم کی عبارت کو مودودی حضرات نے ماہنامہ ترجمان القرآن جولائی ۲۰۰۸ء کے شمارہ میں مفکر اسلام علامہ راشدی کی تصنیف لطیف ”عصر حاضر میں اجتہاد“ پر تبصرہ کرتے ہوئے ”الزام تراشی“ اور ”مبالغہ آمیزی“ قرار دیا ہے۔

دارالعلوم حقانیہ اور ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب پر اعتراض

اس کتاب ”معین القاری“ پر شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب المدنی شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی ”رائے“ بھی موجود ہے۔ جس میں ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ”حضرت مولانا معین الدین“ حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے دستہائے راست محققین اربعہ میں سے ایک تھے۔ حضرت مولانا مودودیؒ کے حلقہ بگوشوں میں کافی ارباب دانش و عرفان شامل ہیں۔ مگر چار بڑی شخصیات سے مولانا مودودیؒ کے اسلامی مشن کو نمایاں تقویت ملی، اب یہ حضرات اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے ہیں۔

ان میں سب سے بڑے شیخ الحدیث و التفسیر حضرت مولانا محمد چراغؒ (فاضل دیوبند) تھے۔ پھر شیخ الحدیث و التفسیر حضرت مولانا معین الدین خٹکؒ (فاضل شاہی مراد آباد) تھے۔ اسی طرح حضرت مولانا مفتی سیاح الدین کا کاخیلؒ (فاضل دیوبند) اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف بنیریؒ۔ مؤخر الذکر میرے استاذ تھے، دارالعلوم حقانیہ کے مفتی

اور درجہ علیا کے مدرس تھے۔

چونکہ مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب، مولانا یوسف بنیری کے شاگرد ہیں، اسی لیے چاریاری صاحب محترم، مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ”دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے ذمہ داران اور منتظمین کیلئے لمحہ فکر یہ؟ جس مودودی صاحب کو اکابر علماء اہل سنت ”ضال و مضل“ فرمائیں۔ آپ مودودی صاحب کے مشن کو نمایاں تقویت پہنچانے والے کے شاگرد کو مسند حدیث پر جلوہ افروز ہونے کی سعادت بخشیں۔ یہ بات آپ کے شایان شان بھی نہیں اور مسلک علماء دیوبند سے مطابقت بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اکابر علماء اہل سنت سے سچی سچی وابستگی عطا فرمائے۔ آمین۔“

گویا چاریاری صاحب دے لفظوں میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ چونکہ مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب، مولانا یوسف بنیری کے شاگرد ہیں لہذا دارالعلوم حقانیہ کے ذمہ داران کو انہیں مسند حدیث سے فارغ کر دینا چاہیے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

ہماری ناقص معلومات کی حد تک خلیفہ مجاز حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، فخر اہل سنت والجماعت حضرت مولانا قاضی عبدالطیف جہلمیؒ نور اللہ مرقدہ فاضل دیوبند، امیر خدام اہل سنت والجماعت پنجاب بھی حضرت مولانا محمد چراغ صاحب (جن سے مولانا مودودی کے مشن کو سب سے زیادہ تقویت پہنچی) کے شاگرد تھے۔ اچھا ہی ہوا جو حضرت قاضی صاحب کے دور میں چاریاری صاحب نے قلم و قرطاس نہیں تھاما۔ وگرنہ یہ حضرت صاحب تو مولانا قاضی عبدالطیف صاحب مرحوم و مغفور کو خدام اہل سنت والجماعت اور جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام سے علیحدہ کرنے کا مطالبہ کر بیٹھتے۔ اور امام اہل السنۃ حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ اور مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ کو بھی جامعہ نصرۃ العلوم سے علیحدہ کر دینے کا مشورہ دیتے کہ یہ بھی مولانا اسحاق رحمانیؒ غیر مقلد اور مولانا خدا بخشؒ بریلوی کے شاگرد رہ چکے ہیں۔

علامہ راشدی پر بریلویت نوازی کا الزام

کتاب ”نوازشات“ کے آٹھویں باب کو ”علامہ زاہد الراشدی صاحب کی

بریلویت نوازی“ کا عنوان دیا گیا ہے۔ جس میں چاریاری صاحب محترم، گوجرانوالہ کے معروف سکالر جناب پروفیسر ڈاکٹر عبدالماجد حمید المشرقی صاحب سربراہ تنظیم کار خیر اور چیئر پرسن المشرق سائنس کالج کی کتاب ”انوار خاص“ کو زیر بحث لائے ہیں، جس پر جانشین امام اہل سنت مولانا زاہد الراشدی صاحب کی تقریظ درج ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف جن پر چاریاری صاحب بریلویت کا الزام لگا رہے ہیں ان کا ایک خط ذیل میں شائع کیا جا رہا ہے۔ یہ خط ماہنامہ نصرت العلوم دسمبر ۲۰۰۹ء کے شمارہ میں بھی شائع ہوا تھا۔ موقع کی مناسبت سے دوبارہ پیش خدمت ہے۔

ڈاکٹر عبدالماجد حمید المشرقی کا خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ!

میں ایک عام مسلمان ہوں اور میرے عقائد وہی ہیں جو اہل سنت کے چلے آ رہے ہیں اللہ تعالیٰ مجھ سے تعلیمی شعبہ میں تھوڑی بہت خدمت لے رہے ہیں جس پر میں اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر گزار ہوں، المشرق سائنس کالجز کے نیٹ ورک کے تحت بحمد اللہ تعالیٰ کم و بیش سات ہزار طلبہ اور طالبات تعلیم حاصل کر رہے ہیں جنہیں حفظ، قرأت قرآن کریم و دیگر ضروریات دین کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔

میں گزشتہ چالیس برس سے مولانا زاہد الراشدی کا مقتدی ہوں حتیٰ الوسع جمعۃ المبارک ان کے پیچھے ادا کرتا ہوں جبکہ ان کے والد محترم حضرت مولانا سرفراز خان صفدر (امام اہلسنت) کے ساتھ میری دلی عقیدت رہی ہے اور ان کی خدمت میں کئی بار حاضر ہو کر ان کی دعائیں اور شفقتیں حاصل کر چکا ہوں، آپ کے وصال سے چار دن پہلے مجھے اپنی اہلیہ کے ساتھ تیمارداری کیلئے جانے کا بھی شرف حاصل ہوا، یہ زندگی میں میری ان سے آخری ملاقات تھی، اس ملاقات کے دوران حضرت امام اہلسنت نے میرے سر پر چار دفعہ ہاتھ پھیرا۔

البتہ میرا ذوق یہ ہے کہ میں تمام مکاتب فکر کے علماء کرام اور راہنماؤں کا احترام کرتا

ہوں اور ان سے استفادہ کی کوشش بھی کرتا ہوں، میری ایک تصنیف ”انوار خاص“ کے بارے میں فیصل آباد کے کچھ دوستوں نے شکوہ کیا ہے کہ اس میں اہل سنت کے عقائد و مذہب کے خلاف چند باتیں درج ہو گئی ہیں مجھے اپنی کسی بات پر اصرار نہیں ہے اور میں نے جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد کے نائب مہتمم حضرت مولانا مفتی زاہد صاحب سے گزارش کی ہے کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ کر کے اس میں اہل سنت کے عقائد اور مذہب کے خلاف جو بات بھی وہ محسوس کرتے ہیں اس کی نشاندہی کر دیں میں اگلے ایڈیشن میں اس میں ہر بات کو حذف کر دوں گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔

تمام احباب سے درخواست ہے کہ میرے لئے حسن عمل، حسن خاتمہ اور نیکی کی مسلسل توفیق کی دعا مانگتے رہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ (آمین)

منجانب / پروفیسر ڈاکٹر عبدالماجد حمید المشرقی (Ph.D England) ۲۲/۶/۰۹

ہمارے پیش نظر اس وقت ”انوار خاص“ کا تیسرا ایڈیشن ہے جو ۲۰۱۱ء میں شائع ہوا۔ اس کتاب کے حوالے سے چاریاری صاحب کی طرف سے اٹھائے گئے اعتراضات کو ہم نے متعلقہ مقامات میں دیکھا تو معلوم ہوا کہ ان کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ موجودہ ایڈیشن میں کوئی ایسی بات موجود نہیں جس کا لازمی تقاضا ڈاکٹر صاحب کی بریلویت اور مولانا راشدی صاحب کی بریلویت نوازی کی صورت میں نکلتا ہو۔ مگر افسوس کہ چاریاری صاحب کو اس سے کوئی مطلب نہیں ہے کہ کتاب کی تصحیح کی گئی ہے یا نہیں۔ انہیں صرف اس سے غرض ہے کہ کسی طرح کھینچ تان کر جانشین امام اہل سنت کو ”بریلویت نواز“ قرار دے دیا جائے۔ ڈاکٹر مشرقی صاحب موصوف دیوبندی حلقہ کے اجتماعات میں کثرت کے ساتھ مدعو کیے جاتے ہیں۔ کتاب نوازشات میں ان سے متعلق بڑے نازیبا قسم کے جملے استعمال کیے گئے ہیں۔ قارئین کی معلومات کے لئے ہم عرض کرتے چلیں کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نہ صرف با شرع ہیں بلکہ انہوں نے مولانا فتح محمد جالندھری صاحب کے اردو ترجمہ کو the light of quran کے نام سے انگلش زبان میں منتقل کیا ہے اور اس کے علاوہ انگریزی میں نعت خوانی

کا عمدہ ذوق بھی رکھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ کی کتاب

The Fragrance Of Madina

انگلش زبان میں نعتوں کی دنیا میں پہلی کتاب کے طور پر

Guiness Book OF World Record میں شمار کی گئی ہے، المشرق سائنس کا

لج کے نام سے ایک بڑا تعلیمی ادارہ بھی چلا رہے ہیں اور شہر گوجرانوالہ کے دیوبندی حلقہ میں ان کا بڑا احترام پایا جاتا ہے۔

آخر میں ہم مولانا راشدی پر ”بریلویت نوازی“ کا الزام لگانے والوں کیلئے حضرت مولانا عبدالرؤف فاروقی صاحب مرکزی رہنماء جمعیت علماء اسلام (س) کا ایک چشم کشا اقتباس اس دعا کے ساتھ نقل کر رہے ہیں کہ اللہ رب العزت ناقدین راشدی کو ہوش کے ناخن لینے اور حق سمجھنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ مولانا فاروقی نے روزنامہ پاکستان میں بریلوی مکتب فکر کے ساتھ جو قلمی مناظر کیا تھا اس کے پس منظر سے متعلق (ماہنامہ انوار حرمین کا مونکی، اکتوبر ۲۰۱۲ء کے شمارہ میں) فرماتے ہیں کہ ”اہل علم کے درمیان علمی تعبیرات و تشریحات کا اختلاف ہر دور میں رہا ہے اور اسے استحسان کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ خود ایک دوسرے سے اختلاف کرنے والے علماء میں بھی باہمی احترام قائم رہا۔ علماء دیوبند اہل سنت و جماعت اور بریلوی مکتبہ فکر کے درمیان اختلاف نے شدت اختیار کی تو اس کی بنیاد اور اس کی تاریخ کیا ہے ہر مسلمان کو عموماً اور اہل علم کو خصوصاً اس کا علم ہونا چاہیے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی اور مولانا شاہ اسماعیل دھلوی کے درمیان اختلاف کی نوعیت پہلی ہے جبکہ بریلوی مکتب فکر کے اعلیٰ حضرت جناب احمد رضا خان بریلوی نے علماء دیوبند کے ساتھ اختلاف کا جو راستہ اختیار کیا وہ دوسری قسم میں آتا ہے، اس میں دجل و فریب کا عمل دخل تھا چنانچہ شدت نے اس میں نفرت اور منافرت کی بنیاد رکھی، بریلویت کی پوری عمارت اسی بنیاد پر کھڑی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ جب اس عمارت کا رنگ و روغن ماند پڑتا ہے تو نفرت و منافرت کی بھٹی میں ہی اس کیلئے نیا رنگ و روغن تیار کیا جاتا ہے۔ اسی روایت کے مطابق بریلوی مکتب

فکر کی طرف سے صاحبزادہ سید امانت رسول نے ایسے حالات میں علماء دیوبند کے خلاف ایک کالم لکھا جو روزنامہ پاکستان لاہور میں شائع ہوا کہ ملک کی مذہبی و سیاسی فضاء اس کی ہر گز متحمل نہ تھی۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا زاہد الرشیدی نے مولانا جمیل الرحمن اختر کی موجودگی میں روزنامہ پاکستان کا وہ پرچہ میرے سپرد کرتے ہوئے کہا کہ ایسا لگتا ہے بریلوی حضرات اس موضوع کو زندہ کر کے علماء دیوبند کے خلاف عوام میں نفرت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ آپ اس کا جواب لکھیں اور روزنامہ پاکستان کے ذمہ داران کے حوالہ کریں کہ جہاں تک بریلوی مکتب فکر اس موضوع کو لے جانا چاہتا ہو ہم تیار ہیں۔ میں اس موضوع کو بہت پیچھے چھوڑ آیا تھا گزشتہ پانچ برس سے میں ردِ مسیحیت پر کام کر رہا ہوں، لیکن میں مولانا زاہد الرشیدی کے حکم کا انکار نہ کر سکا۔“

کیا یہ بریلویت نوازی ہے؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

مولانا زاہد الرشیدی صاحب رقمطراز ہیں: ”دین کے مختلف شعبوں میں ہونے والا کام جب تک حزبیت (جماعتی گروہ بندی) سے بچتے ہوئے باہمی تعاون و اشتراک کے ماحول میں ہوتا رہے گا، اس کے ثمرات و نتائج مثبت رہیں گے، لیکن جب اس میں تقسیم کار کے بجائے حزبیت کا رجحان غالب ہوگا تو وہ شکایات ضرور پیدا ہوں گی جن کا مختلف حلقوں کی طرف سے اظہار بھی شروع ہو گیا ہے، اس لیے کہ حزبیت کا خاصہ قرآن کریم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ: ”کل حزب بما لدیہم فرحون“۔ مطلب یہ ہے کہ جب کوئی گروہ ”حزب“ بن جائے گا تو صرف اپنا کام ہی اسے اچھا لگے گا اور دوسرے کسی گروہ کے کام کو اچھا کہنا اس کے لیے مشکل ہوگا۔ آج ہمارے دور کی سب سے بڑی الجھن یہی ہے کہ دین کے مختلف شعبوں میں کی جانے والی محنت تقسیم کار کی بجائے حزبیت کا رنگ اختیار کرتی جا رہی ہے اور یہ صرف تبلیغی جماعت کے حوالے سے نہیں، بلکہ دوسرے بہت سے دینی شعبوں میں کام کرنے والے گروہوں کے جذباتی کارکنوں کی نفسیات بھی یہی ہے کہ انہیں صرف اپنا کام اچھا لگتا ہے، وہ اسی کام کے تقاضوں کو دین کے مجموعی ماحول کا تقاضا قرار دینے لگتے ہیں اور دوسرے کسی شعبے کے دینی کام کی اگر وہ نفی نہ بھی کریں تو اس کا تذکرہ اس انداز میں کریں گے، جیسے اس کام کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔ (ماہنامہ الشریعہ، مئی ۲۰۰۹ء)

علامہ راشدی پر مماتیت نوازی کا الزام

محترم مولانا عبدالرحیم چاریاری صاحب نے اپنی کتاب ”نوازشات“ کے ساتویں باب کو ”علامہ زاہد الراشدی صاحب کی مماتیت نوازی“ کا عنوان دیا ہے۔ اس باب میں انہوں نے ”مमतیت نوازی“ کو ثابت کرنے کے لیے بطور دلیل مفکر اسلام علامہ زاہد الراشدی صاحب کی اس تحریر کا تذکرہ کیا ہے جو انہوں نے ”جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ“ کے بعض سرکردہ حضرات کو بھیجی تھی اور بعد ازاں جسے ماہنامہ الشریعہ کے ”امام اہل سنت نمبر“ میں بھی شائع کیا گیا تھا۔ یہ تحریر کس پس منظر میں لکھی گئی تھی، اس کے لیے ہم اصل تحریر ہی قارئین کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔ جانشین امام اہل سنت حضرت مولانا علامہ زاہد الراشدی صاحب رقمطراز ہیں:

”بسم اللہ الرحمن الرحیم

جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی القبر کے بارے میں گزشتہ نصف صدی سے بعض حلقوں میں اختلاف و نزاع کی جو کیفیت پائی جاتی ہے، اس میں میرا عقیدہ وہی ہے جو ”المہند علی المہند“ میں اکابر علمائے دیوبند کے عقیدہ کے طور پر درج ہے۔ البتہ میں اسے پبلک اسٹیج کا مسئلہ نہیں سمجھتا اور عام اجتماعات میں اس مسئلے کا کسی بھی طرف سے شدت پسندانہ اظہار میرے نزدیک درست طرز عمل نہیں ہے۔ اسی وجہ سے والد محترم حضرت مولانا سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ کے جنازہ اور جامعہ نصرت العلوم گوجرانوالہ میں ان کی تعزیت کے لیے منعقد ہونے والے تعزیتی اجتماع کے موقع پر بعض مقررین کی طرف سے اس کا بے موقع ذکر اور خاص طور پر جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ پاکستان کے بعض بزرگوں کا توہین آمیز انداز میں تذکرہ اچھا نہیں لگا، چنانچہ میں اپنی اخلاقی ذمہ داری سمجھتے ہوئے اس

پرفسوس کا اظہار کرتا ہوں اور ان تمام حضرات سے معذرت خواں ہوں جنہیں کسی بھی درجہ میں اس سے اذیت پہنچی ہے۔

اس کے ساتھ ہی فریقین سے یہ درخواست بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اجتماعی دینی تقاضوں اور ملک کی موجودہ سنگین صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے پبلک اجتماعات میں اس مسئلہ کو بلکہ اس جیسے دیگر مسائل کو بھی موضوع بحث بنانے سے گریز کریں اور خصوصی مجالس یا تحریروں میں ایسے مسائل پر اظہار خیال کرتے ہوئے اختلاف رائے کے علمی اور اخلاقی تقاضوں کا لحاظ رکھیں۔

امید ہے کہ تمام دوست میری اس دردمندانہ استدعا پر سنجیدگی سے غور فرمائیں گے۔

ابوعمار زاہد الراشدی

خطیب مرکزی جامع مسجد، گوجرانوالہ

اس تحریر کو ہمارے محترم چاریاری صاحب ”علامہ راشدی صاحب کی مماتیت نوازی“ قرار دے رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ”حضرت امام اہل سنتؒ نے بڑی محنت شاقہ سے رد مماتیت کے سلسلہ میں ”سماع موتی“ اور ”تسکین الصدور“ لکھ کر مسلک علماء دیوبند کی ترجمانی کا حق ادا فرمایا، جبکہ آپ نے مماتی ٹولہ سے معافی مانگ کر الشریعہ کے ”امام اہل سنت نمبر“ میں معافی نامہ آخری صفحہ پر چھاپ بھی دیا۔“ گویا چاریاری صاحب غلط بات کی تردید اور درست بات کے اقرار کو بھی ”نوازش“ سمجھتے ہیں۔ ہمارے لیے یہ جاننا مشکل ہو رہا ہے کہ چاریاری صاحب نے اپنی کتاب ”نوازشات“ کے ابتدائیہ میں ”غلطی ماننا اہل علم کا امتیاز ہے“ کے عنوان سے حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ کا جو واقعہ نقل کیا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ یہ قضیہ بھی چاریاری صاحب محترم ہی حل کریں گے۔ سردست تو یہ معلوم پڑتا ہے کہ بعض ”حیاتی“ خطباء کے بارے میں انہیں ”معصوم عن الخطاء“ ہونے کا گمان ہے۔ اور اگر چاریاری صاحب کی سوچ میں ایسا ہے کہ دوسرے مسالک کے علماء و مشائخ کا جس قدر مرضی تو بہن آمیز لہجہ میں تذکرہ کیا جائے، اس پر ڈٹ جانا چاہیے اور کسی

صورت معذرت نہیں کرنی چاہیے تو یہ سوچ آپ ہی کو مبارک ہو۔ معاف کیجیے گا پر ہمارے اکابر خصوصاً حضرات شیخین کریمینؒ کی تعلیمات یہ نہیں ہیں۔ اس سلسلہ میں امام اہل سنت محدث کبیر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کی تعلیمات ملاحظہ فرمائیں، ان کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ لکھتے ہیں،

”بلاشبہ ہمارے شیخ و مرشد امام اہل سنت نور اللہ مرقدہ دین و مذہب اور مسلک کے معاملہ میں مضبوط و متصل ضرور تھے لیکن متعصب نہیں تھے، ایک بار راقم الحروف نے کسی سلسلہ کلام میں عرض کیا کہ حضرت میرا خیال ہے کہ آج کل کے حالات میں جب تک کوئی آدمی اپنے مسلک و موقف میں متعصب نہ ہو اس وقت تک اس کا اپنے مسلک و موقف پر کار بند رہنا ناممکن نہیں تو کم از کم مشکل ضرور ہے، میری اس حماقت پر حضرت نے بغیر کسی ناگواری کے نہایت شفقت سے فرمایا، نہیں! نہیں! آدمی کو متعصب نہیں، متصل ہونا چاہیے اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ متصل کا معنی یہ ہے کہ اپنے اسلاف و اکابر کی تحقیقات پر مضبوطی سے کار بند ہو لیکن اس کا یہ معنی بھی نہیں ہے کہ اس کو کہیں سے کوئی حق و سچ کی بات ملے تو ازراہ تعصب اس کا انکار کر دے، پھر فرمایا کہ جو شخص متعصب ہوگا وہ قبول حق سے محروم ہوگا لیکن جو متعصب کی بجائے متصل ہوگا وہ اگرچہ کسی سے متاثر تو نہیں ہوگا لیکن اس پر جب دلائل و براہین کی روشنی میں حقیقت حال منکشف ہوگی، وہ اس کے قبول کرنے سے انکار بھی نہیں کرے گا۔“ (الشریعہ خصوصی اشاعت بیاد امام اہل سنت ص ۶۱۴ جولائی، اکتوبر ۲۰۰۹ء)

امام اہل سنت اور جانشین امام اہل سنت کے طرز عمل میں مماثلت اس سلسلہ میں امام اہل سنت کے دو واقعات بھی ملاحظہ فرمائیں۔

☆ جانشین امام اہل سنت حضرت مولانا علامہ زاہد الراشدی صاحب فرماتے ہیں کہ ”حضرت والد محترم سے تعلیم حاصل کرنے والے سب شاگرد جانتے ہیں کہ وہ اس بات کی اکثر تلقین کیا کرتے تھے کہ اپنا موقف مضبوط رکھو، لیکن بیان کے لیے الفاظ نرم اختیار کرو

اور خیر خواہانہ لہجہ اپناؤ۔ وہ سخت کلامی اور سخت بیانی سے نہ صرف خود گریز کرتے تھے بلکہ اسے برداشت بھی نہیں کرتے تھے اور ٹوک دیتے تھے.....

میرا طالب علمی کا ابتدائی دور تھا۔ لگھڑ میں حضرت مولانا قاری سید محمد حسن شاہؒ کا خطاب تھا۔ میرے استاذ محترم جناب قاری محمد انور صاحب نے مجھے چند جملے رٹا کر ان سے پہلے تقریر کے لیے کھڑا کر دیا۔ میں نے مائیک کے سامنے کھڑے ہوتے ہی آؤدیکھا نہ تاؤ، مرزا غلام احمد قادیانی کا نام لے کر بے نقط سنانا شروع کر دیں۔ حضرت والد محترم اسٹیج پر موجود تھے۔ انہوں نے مجھے گریبان سے پکڑ کر پیچھے ہٹایا اور مائیک پر کھڑے ہو کر باقاعدہ معذرت کی کہ بچہ ہے، جوش میں غلط باتیں کر گیا۔ (ماہنامہ الشریعہ، جون ۲۰۱۳ء) مجھے تو چاریاری صاحب کی سوچ سے ڈر آتا ہے کہ کہیں وہ امام اہل سنتؒ کی اس معذرت پر انہیں بھی ”قادیانیت نواز“ نہ قرار دے دیں۔

☆ مولانا محمد فاروق جالندھری فرماتے ہیں کہ ”ایک مرتبہ مولانا محمد ریاض انور گجراتی نے حضرت قاضی شمس الدین صاحب (مرکزی رہنما جمعیت اشاعت التوحید والسنہ پا کستان) کے متعلق کوئی بات کی تو حضرت امام اہل سنتؒ سخت ناراض ہوئے اور مولانا گجراتی کو فوراً جھڑکتے ہوئے بات جاری رکھنے سے منع فرما دیا۔ (ماہنامہ الشریعہ، خصوصی اشاعت بیا دامام اہل سنت، صفحہ ۷۳۷، جولائی۔ اکتوبر ۲۰۰۹ء)

ان واقعات کی روشنی میں ہم سمجھتے ہیں کہ جانشین امام اہل سنت مولانا زاہد الراشدی صاحب نے نہ صرف امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا بلکہ ان کی یاد بھی تازہ کر دی۔

چاریاری صاحب کی کذب بیانی

چاریاری صاحب محترم پر مخالفت برائے مخالفت کا بھوت اس قدر سوار ہے کہ انہوں نے اس باب ”علامہ زاہد الراشدی صاحب کی ممانیت نوازی“ میں ایک خود ساختہ اور جھوٹا قصہ بھی بلا تحقیق نقل کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ”مورخہ ۱۸ فروری ۲۰۱۱ء بروز جمعہ

المبارک جامع مسجد معاویہ واٹر سپلائی روڈ سرگودھا میں مہمانوں کے مشہور خطیب عطاء اللہ بندیا لوی صاحب کی مسجد میں علامہ راشدی صاحب نے عصر، مغرب اور عشاء کی تینوں نمازیں ان کے پیچھے پڑھیں۔

لوگوں نے سوال کیا کہ آپ نے یہاں نمازیں پڑھی ہیں۔ کیا ان کے پیچھے آپ کی نماز ہو جاتی ہے تو علامہ راشدی صاحب نے فرمایا میں اسی لئے جلدی آیا ہوں اور نمازیں باجماعت ادا کی ہیں تاکہ یہ ابہام ختم ہو جائے کہ ان کے پیچھے یقیناً نماز ہو جاتی ہے۔“

مندرجہ بالا عبارت سے متعلق ہم نے مفکر اسلام علامہ راشدی سے استفسار کیا تو انہوں نے نہایت شفقت فرماتے ہوئے لکھا۔ ”یہ خلاف واقعہ بات ہے، اس روز مولانا عطاء اللہ بندیا لوی کی مسجد میں ”ناموس رسالت“ کانفرنس“ تھی جس میں مختلف مکاتب فکر کے علماء کرام نے خطاب کیا تھا اور میں نے بھی تقریر کی تھی۔ جمعۃ المبارک کی نماز گوجرانوالہ میں پڑھا کر روانہ ہوا تھا، جلسہ کے دوران وہاں پہنچ کر تقریر کر کے واپس آ گیا تھا۔

ویسے کیا سردیوں کے موسم میں گوجرانوالہ میں جمعہ پڑھا کر عصر یا مغرب تک سرگودھا پہنچا بھی جاسکتا ہے؟“۔

اس جھوٹے قصے کو بنیاد بنا کر ہمارے محترم چاریاری صاحب نے تقریباً تیس کے قریب صفحات تو سیاہ کر دیے مگر حقیقت حال معلوم کرنے کے قرآنی حکم کی طرف ذرا برابر بھی توجہ نہ دی۔

چاریاری صاحب کی اس کذب بیانی اور الزام تراشی بلکہ بہتان طرازی پر کہنے کو تو اور بھی بہت کچھ ہے مگر ان کی خدمت میں صرف اتنی ہی عرض ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

یا ایہا الذین آمنوا ان جاءکم فاسق نبأ فتبینوا۔ (الحجرات ۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر لائے تمہارے پاس کوئی فاسق خبر پس خوب تحقیق کر لو۔

اور جناب نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

کفیٰ بالمرء کذباً ان يحدث بكل ما سمع (مسلم شریف ج ۱ ص ۸)
ترجمہ: انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات
آگے بیان کر دے۔

امام اہل سنت کا حقیقی جانشین کون؟

مولانا عبدالرحیم چاریاری صاحب محترم نے اپنی کتاب ”نوازشات“ کے نویں باب کو
”امام اہل سنت کا حقیقی جانشین کون؟“ کا عنوان دیا ہے۔ گزشتہ ابواب میں جس طرح
چاریاری صاحب نے مولانا راشدی کے خلاف بداعتدائی اور بدگمانی کی فضاء پیدا کرنے کی
بھرپور سعی کی ہے، یہ باب بھی انہیں کوششوں کا تسلسل ہے۔ اس باب میں انہوں نے اس
بات کی نفی کی ہے کہ مولانا زاہد الراشدی صاحب، امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان
صفدر کے جانشین ہیں۔ اور اس مقصد کے لیے مولانا زاہد الراشدی صاحب اور ان کے
چھوٹے بھائی مولانا عبدالقدوس خان قارن صاحب میں پھوٹ ڈالنے کے لیے تقابیل کا
ماحول پیدا کرنے کا شیطانی فریضہ بھی بخوبی سرانجام دیا ہے اور امام اہل سنت کے ساتھ مولانا
راشدی کے بعض اختلافات جن میں سے بیشتر کی حیثیت ہم گزشتہ اقساط میں واضح کر چکے ہیں
اور بقیہ کی آئندہ قسطوں میں واضح کریں گے، انشاء اللہ۔ کو خوب بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے۔

کسی زمانہ میں جب امیر شریعت حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نور اللہ مرقدہ کے حوالہ
سے ”جانشین امیر شریعت“ کی بحث چھڑی تو سنجیدہ علمی حلقوں میں اسے شدید ناپسندیدگی کی
نظروں سے دیکھا گیا تھا۔ اس لیے ہم اس موضوع پر سرے سے کوئی بحث ہی نہیں کرنا چاہتے
تھے۔ اور اس لیے بھی کہ ہمارے شیخ مفکر اسلام حضرت مولانا علامہ زاہد الراشدی صاحب
اپنے حوالے سے اس قسم کی گفتگو سے منع فرماتے ہیں، لیکن چونکہ محترم چاریاری صاحب نے
اسے مستقل عنوان کے تحت موضوع گفتگو بنا کر تفصیلی کلام کیا ہے، اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی
ہم اختصار کے ساتھ چند معروضات پیش کرنے کی جسارت کر رہے ہیں۔

جانشین امام اہل سنت حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب بعض تحقیقی اور فروعی مسائل

میں امام اہل سنت کے دست راست مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ کی طرح امام اہل سنتؒ سے متفق نہیں تھے اور ان اختلافات کا خود مولانا راشدی نے دیانۃً بغیر کسی تردد کے اپنے مضامین میں اظہار کیا ہے۔ جن مسائل میں مولانا راشدی نے امام اہل سنتؒ سے اتفاق نہیں کیا وہ تقریباً تمام امام اہل سنتؒ کے علم میں تھے مثلاً تکفیر شیعہ، تکفیر بریلویہ اور مسئلہ تصویر وغیرہ وغیرہ۔ اس کے باوجود بھی امام اہل سنتؒ کی نظر میں جانشین امام اہل سنت کا کیا مقام تھا کیوں نہ اس پر بھی ایک نظر کر لی جائے۔ تو ملاحظہ فرمائیں۔

جانشین امام اہل سنت کا مقام، امام اہل سنتؒ کی نظر میں

(۱) ایک مرتبہ مولانا راشدی نے خواب دیکھا کہ ”میں شیر انوالہ کے سامنے سڑک پر بیٹھا ہوا ہوں اور گٹر کے ایلٹے ہوئے پانی سے وضو کر رہا ہوں جب میں بازو دھونے لگا تو خیال آیا کہ گٹر کے پانی سے وضو کر رہے ہو، اس کے بعد میں نے پانی کو غور سے دیکھا پانی صاف شفاف تھا وضو مکمل کیا اور نماز پڑھی، پھر والد گرامی کو خواب سنایا تو انہوں نے فرمایا ”تم ایسے مقامات میں دین کی خدمت کرو گے جہاں (روحانی) گندگی ہوگی۔ (مولانا زاہد الراشدی صاحب مدظلہ امریکہ اور برطانیہ وغیرہ میں دین اسلام کی تبلیغ کے سلسلے میں وقتاً فوقتاً جاتے رہتے ہیں۔) (گلدستہ علم ص ۱۵)

(۲) ”تایا جان (مولانا راشدی) سے آپ (امام اہل السنۃؒ) کو بہت تعلق تھا، بہت بیماری یا پریشانی میں بھی جب تایا جان تشریف لاتے تو آپ کا چہرہ کھل جاتا اور خوب باتیں کرتے، جب ہم میں سے کسی سے خوش ہوتے تو فرماتے ”اللہ تجھے زاہد جیسا عالم بنائے“ (مدرس بھی، مصنف بھی، مقرر بھی) اس جملے سے تایا جان کے علمی مقام کا اہل نظر اندازہ لگا سکتے ہیں اور اس خوش نصیبی پر وہ جتنا بھی مالک کائنات کے حضور شکر ادا کریں کم ہے، اللہ جل شانہ انہیں اور ان کی پیروی میں ہم سب کو دادا جان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین ثم آمین۔

“(مجلد المصطفیٰ کا امام اہل السنۃؒ نمبر ص ۲۲۶ از قلم حافظ ممتاز الحسن خان احسن خدامی۔)

(۳) ”ایک بار مدرسہ نصرۃ العلوم کے دفتر اہتمام میں منعقدہ تقسیم اسباق کی میٹنگ میں تمام

اساتذہ کی موجودگی میں حضرت صوفی صاحبؒ نے فرمایا کہ ”ابوداؤد شریف“ کا سبق زاہد کے سپر کر دیں تو اس کے جواب میں آپ (امام اہل السنۃ) کے اس جملہ سے ساری محفل کشت زعفران بن گئی ”وہ تو دابتہ الارض ہے اسے کون باندھے گا؟“ (یعنی وہ اپنے دینی پروگراموں کے سلسلہ میں سفر بہت کرتا ہے) حضرت صوفی صاحبؒ نے فرمایا ”اچھا پڑھائے گا“ جس پر عم مکرمؒ (مولانا سرفراز خان صفدرؒ) نے فرمایا ”یہ تو مجھے بھی پتہ ہے کہ پڑھائے گا تو بہت ہی اچھا۔“ چنانچہ ابوداؤد شریف ان کے سپرد کر دی گئی۔“ (مجلد المصطفیٰ کا امام اہل السنۃ نمبر ص ۱۳۲ از قلم مولانا محمد فیاض خان سواتی)

(۴) ”اباجی (مولانا سرفراز خان صفدرؒ) کی علالت کے بعد راشدی صاحب کے معمولات میں ہر جمعہ لکھڑ حاضری دینا بھی تھا۔ وہ بتاتے ہیں کہ تین یا چار ماہ پہلے میں اباجی سے ملنے لکھڑ گیا تو اباجی نے میرا ہاتھ تھام لیا اور کہا کہ میرا جنازہ تم نے خود پڑھانا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ چھوٹے بہن بھائیوں کا خیال رکھنا اور ان کے سر پر ہاتھ رکھنا۔ میرا دل اندیشوں میں الجھ گیا کہ اباجی نے اس سے پہلے ایسی بات کبھی نہیں کہی تھی، راشدی صاحب نے یہ بات مجھے گھر آ کر بتائی تو مجھے کھٹکا سا لگ گیا کہ معلوم نہیں وہ اباجی کی اس وصیت کو پورا کر سکیں گے یا نہیں، کیونکہ وہ سال میں ایک آدھ سفر بیرون ملک کا بھی کرتے ہیں۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اباجی کی وفات سے چار دن پہلے وہ برطانیہ اور سعودی عرب کے دورے سے واپس پہنچ گئے۔“ (ماہنامہ الشریعہ، خصوصی اشاعت بیاد امام اہل سنت، صفحہ ۴۷۲)

(۵) ”حضرت والد محترمؒ (امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ) نے بیماری کے دنوں ایک بار مجھے (مولانا زاہد الراشدی سے) بطور خاص فرمایا کہ میں تصوف و سلوک کے موضوع پر کوئی کتاب نہیں لکھ سکا۔ اب اس پر تم نے لکھنا ہے اور اس سلسلہ میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور حضرت مولانا محمد منظور احمد نعمانیؒ کی کتابیں ضرور پڑھ لینا۔ (ماہنامہ الشریعہ، خصوصی اشاعت بیاد امام اہل سنت صفحہ ۳۷۵) گویا جانشین امام اہل سنت حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب کی کتاب امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ کی اس

کی کوپورا کرے گی۔ انشاء اللہ العزیز۔

(۶) ”راقم اشیم (امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدرؒ) لکھڑ میں قرآن کریم و حدیث شریف کا پنجابی میں جو درس دیتا رہا ہے اس درس قرآن کا بڑا عرق ریزی کے ساتھ اردو ترجمہ مولانا محمد نواز بلوچ صاحب نے کیا جسکی طباعت کا انتظام الحاج میر محمد لقمان صاحب نے اور ان کے بھائیوں نے کیا ہے، راقم اشیم طباعت کے حقوق انکو دیتا ہے۔ ہاں اگر علمی طور پر اصلاح کی ضرورت پڑے تو راقم اشیم کے بچے مثلاً عزیزم زاہد اور عزیزم قارن سلمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ مشورہ دے سکتے ہیں“۔ امام اہل سنت کے دروس قرآن پر مشتمل ”ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن“ کی اب تک سترہ جلدیں چھپ کر منظر عام پر آچکی ہیں جو سب کی سب جانشین امام اہل سنت حضرت مولانا علامہ زاہد الراشدی صاحب کی نظر ثانی کے بعد شائع ہوئی ہیں۔ اور ان میں بہت سی جلدیں وہ ہیں جو امام اہل سنتؒ کی ”حیات“ میں ہی زیور طباعت سے آراستہ ہو کر ان کی نظر سے بھی گزر چکی ہیں۔

(۷) امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ تقریباً نصف صدی تک جامعہ نصرت العلوم میں شیخ الحدیث، شیخ التفسیر، صدر مدرس اور ناظم تعلیمات کے منصب پر فائز رہے اور آپؒ کی علالت کے بعد جامعہ کی مجلس شوریٰ نے بانی جامعہ مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ کی سرپرستی میں بالاتفاق جامعہ نصرت العلوم کے چاروں مناصب جلیلہ کے لیے جانشین امام اہل سنت حضرت مولانا علامہ زاہد الراشدی صاحب ہی کا انتخاب کیا۔ جس کی امام اہل سنتؒ نہ صرف تائید فرمائی بلکہ تادم آ خر بھر پور سرپرستی بھی فرمائی۔

(۸) امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ نے جانشین امام اہل سنت حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب کو ”خلافت“ سے بھی نوازا ہے۔ آپ کے خلفاء کی لسٹ میں مولانا راشدی کا نام بھی درج ہے (امام اہل سنتؒ سے پہلے مولانا راشدی کا اصلاحی تعلق امام الہدیٰ حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ اور مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی حسینی ندویؒ کے ساتھ تھا)۔ علاوہ ازیں جامع مسجد امام اہل سنت لکھڑ منڈی میں مولانا راشدی صاحب جمعۃ

المبارک کے روز بعد نماز مغرب امام اہل سنت کی یاد میں درس قرآن وحدیث بھی دیتے ہیں۔
 (۹) ”اباجی (امام اہل سنت) نے ”الشریعہ“ میں میرے مضامین پڑھے تو مجھے طلب فرمایا۔ میں حاضر ہوا تو انہوں نے تنہائی میں محبت اور شفقت سے بھرپور لہجہ میں گفتگو کی۔ فرمایا کہ دیکھو! جب زاہد نے سیاسی میدان میں قدم رکھا اور مختلف نظریات کے لوگوں اور جماعتوں سے ملنا جلنا شروع کیا تو ہمیں اس بات کا شدید اندیشہ تھا کہ وہ کہیں اپنے بزرگوں (یعنی اکابر علماء دیوبند) کے مسلک سے ہٹ نہ جائے، لیکن الحمد للہ زاہد نے ہمیں اس معاملے میں شکایت کا موقع نہیں دیا۔“ (الشریعہ، خصوصی اشاعت بیاد امام اہل سنت صفحہ ۵۰۳)

ہم یہ نہیں سمجھ پارہے کہ جب امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر نے مولانا راشدی پر خوب اعتماد کیا ہے، جس کا واضح اظہار گزشتہ سطور میں قارئین نے ملاحظہ فرمایا تو چاریاری صاحب کس کے ایماء پر یہ بد اعتمادی کی فضاء پیدا کر رہے ہیں۔ محترم چاریاری صاحب کی محدود سوچ اور تنگ نظری کا یہ عالم ہے کہ ان کے نزدیک امام اہل سنت کے جانشین کے مقام پر وہی فائز ہو سکتا ہے جو چاریاری صاحب کے اپنے ذہن کی طرح جمود کا شکار ہو کر مسلکی تنازعات، فروعات اور چھوٹی سے چھوٹی باتوں میں چند کتب، رسائل اور مضامین تحریر کر دے جبکہ اس کے برخلاف تقریباً پچاس ہزار سے زائد صفحات لکھنے والا آدمی ان کی ڈائری میں کوئی اسلام، حقیقت اور دیوبندیت کی خدمت کرنے والا ہی نہیں ہے، اس موضوع پر ہم انشاء اللہ العزیز مستقل قلم اٹھائیں گے کہ مولانا راشدی کی مسلکی خدمات پر کیا کیا تحریریں موجود ہیں، مولانا راشدی کے مزاج میں چونکہ کسر نفسی بہت پائی جاتی ہے اور یہی بڑے لوگوں کی نشانی ہوتی ہے، انہوں نے اگر اپنے چھوٹے بھائیوں کی دل جوئی کیلئے جو ان کا حق بھی ہے، مسلکی مناقشات میں خدمات کی تعریف کر دی ہے کہ یہ میرے والد کے مشن کو آگے بڑھا رہے ہیں، چاریاری صاحب کی طرف سے اسے ان کے اقبال جرم کی مد میں شامل کرنا تعجب انگیز ہے اور اس سے بھی زیادہ تعجب انگیز بات یہ ہے کہ اپنے والد کے مشن کے کسی مخصوص پہلو پر تحریری کام کرنے والے کئی بیٹے اگر سب ہی ایک موضوع پر اپنی طبع

آزمائی شروع کر دیں تو کیا وہ مشن کامیاب ہو سکے گا؟ اسی لئے فن والے کہتے ہیں لکل فن رجال، معلوم ہوا کہ کام تقسیم کار سے ہوا کرتے ہیں، یہ روش تو خود امام اہل سنت کے طرز میں بھی موجود ہے، دنیا جانتی ہے کہ امام اہل سنت نے دیوبندیت کی جتنی خدمت کی ہے یہ کسی اور کے حصہ میں نہیں آئی لیکن ان کی کس نفسی کا یہ عالم تھا کہ وہ حرمین شریفین میں اپنے سفر کے بارے میں فرماتے تھے کہ میں نے وہاں بڑی رورو کر دعائیں مانگی ہیں کہ اللہ تعالیٰ قاضی (مظہر حسین چکوالیؒ) صاحب اور صوفی (عبد الحمید سواتیؒ) صاحب کو لمبی زندگی دے کہ وہ دین اور مسلک کی بڑی خدمت کر رہے ہیں مجھ سے تو کوئی کام نہیں ہو سکا، کیا اس جملہ سے ہم امام اہل سنت کے تعارف میں رخنہ ڈالنا شروع کر دیں گے؟ لا حول ولا قوۃ الا باللہ، کاش کہ وہ اس معاملہ میں خود امام اہل سنت کی تعلیمات سے ہی آگاہی حاصل کر لیتے۔ ذیل کے چند واقعات ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ اگر جانشین امام اہل سنت نے امام اہل سنت سے اختلاف کیا ہے تو امام اہل سنت اپنے بزرگوں سے اختلاف کا حق کس طرح استعمال کرتے ہیں۔

امام اہل سنت اور اختلاف رائے

(۱) امام اہل سنت کے شاگرد رشید استاذ العلماء حضرت مولانا عبدالقیوم ہزاروی صاحب سابق استاذ الحدیث جامعہ نصرت العلوم فرماتے ہیں کہ ”۱۹۵۳ء کے لگ بھگ قادیانیوں کی طرف سے کچھ سوالات شائع کیے گئے جن کے جوابات ہماری جماعت مجلس تحفظ ختم نبوت نے دینے تھے۔ اس سلسلے میں مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوا اور یہ طے پایا کہ جو آدمی بھی لکھ سکتا ہے، وہ اپنے جوابات لکھ کر لائے تاکہ ان کا جائزہ لیا جاسکے۔ میں بھی اجلاس میں شریک تھا اور میں نے یہ رائے پیش کی کہ ان سوالات کے جوابات میرے استاذ حضرت شیخ الحدیث ہی دے سکتے ہیں۔ پھر میں اجلاس میں طے ہونی والی بات کے مطابق لکھڑ حاضر ہوا اور حضرت شیخ کو اس پر آمادہ کیا۔ چونکہ قادیانیوں کی کتب زیادہ تر ختم نبوت کے دفتر میں تھیں، اس لیے جوابات لکھنے کے لیے دفتر میں قیام کرنے کی بھی ضرورت تھی۔ حضرت شیخ ایک دن اس کام

کے لیے دفتر میں تشریف لے گئے تو میں موجود نہیں تھا اور دفتر کا ناظم حضرت کو نہیں جانتا تھا۔ اس نے حضرت سے کہا کہ کیا آپ لکھنے کے لیے کاغذ قلم وغیرہ ساتھ لائے ہیں؟ حضرت اس پر واپس تشریف لے گئے اور اپنی جیب سے کاغذ قلم وغیرہ خرید کر دوبارہ دفتر گئے اور تین دن تک جوابات کے سلسلے میں کام کرتے رہے۔

جب مقررہ تاریخ پر اجلاس ہوا تو اس میں سب نے اپنے اپنے تحریر کردہ جوابات پیش کرنے تھے اور آپس میں بحث و مباحثہ کے بعد یہ فیصلہ کیا جانا تھا کہ کس کے جوابات سب سے بہتر ہیں۔ اجلاس میں بڑے بڑے علماء، مفتیان کرام اور مناظر حضرات بھی موجود تھے جن میں مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا خیر محمد جالندھری اور علامہ محمد یوسف بنوری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مختلف حضرات کے جوابات پڑھ کر سنائے جاتے اور پھر تنقید کی جاتی۔ زیادہ تر حضرت شیخ الحدیث ہی تنقید فرماتے تھے۔ جب مولانا محمد ادریس کاندھلوی کا مضمون پڑھ کر سنایا گیا تو اس میں زیادہ تر مواد امام سیوطی کے حوالے سے نقل کیا گیا تھا۔ حضرت شیخ الحدیث نے غالباً اس میں نقل کردہ روایات کی اسنادی حیثیت پر تنقید کی تو مولانا محمد ادریس کاندھلوی، جو حضرت شیخ کے استاذ بھی تھے غصے میں آ گئے اور فرمایا کہ اگر سیوطی جیسا محدث بھی معتبر نہیں تو اور کون ہوگا؟۔ (ماہنامہ الشریعہ جنوری ۲۰۱۰ء صفحہ ۱۸)

(۲) ”ان (امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفر) کا بیعت کا تعلق حضرت مولانا حسین علی سے تھا جو تشہد میں رفع سبابہ کے قائل نہیں تھے، مگر حضرت والد صاحب (امام اہل سنت) نے فرمایا کہ ہم ان کے سامنے رفع سبابہ ”ٹکا کے“ کرتے تھے اور ایک دفعہ انہوں نے اپنے شیخ سے اس پر بحث بھی کی۔“ (ماہنامہ الشریعہ، خصوصی اشاعت بیاد امام اہل سنت صفحہ ۳۶۲) علاوہ ازیں مولانا حسین علی صاحب ”سماع موتی“ کے بھی قائل نہیں تھے۔ جبکہ امام اہل سنت کی ”سماع الموتی“ نامی مستقل کتاب ہے جس میں انہوں نے اپنے استاذ اور پیر کے عدم سماع کے نظریہ کی مدلل تردید کی ہے۔

(۳) ”ایک مرتبہ احقر (سید مشتاق علی شاہ) نے حضرت صوفی صاحبؒ سے سوال کیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مولانا سرفراز صاحب، قاضی شمس الدین صاحب کے شاگرد ہیں، اس کی کیا حقیقت ہے؟ فرمایا کہ استاذ نہیں وہ تو ہمارے استاذ الاستاذ ہیں۔ میں یہ سمجھا کہ حضرت نے اس سوال کا برامنا یا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے وضاحت چاہی تو فرمایا کہ ہمارے استاذ مفتی عبدالوحد صاحبؒ تھے اور ان کے استاذ قاضی شمس الدین صاحبؒ تھے۔ اس طرح قاضی صاحب ہمارے استاذ الاستاذ ہوئے۔“ (ماہنامہ الشریعہ، جنوری ۲۰۱۰ء) نیز حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب مرحوم و مغفور، امام اہل سنتؒ سے قبل جامعہ نصرت العلوم میں شیخ الحدیث کے منصب پر بھی فائز تھے۔ جبکہ امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ نے قاضی صاحب کے افکار کے رد میں الشہاب المبین، تسکین الصدور، سماع الموقی اور المسلك المنصور وغیرہ کتب تصنیف فرمائیں۔

(۴) امام اہل سنتؒ نے تو مسلکی حوالہ سے کجا سیاسی طور پر بھی اپنے اساتذہ سے اختلاف کیا ہے حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ سے ان کا اختلاف کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔

مزاج اور ترجیحات میں اختلاف

آخر میں ہم یہ بھی عرض کرتے چلیں کہ ہر انسان کے خون کا گروپ علیحدہ، مزاج جدا اور کام کرنے میں ترجیحات مختلف ہوتی ہیں یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی تخلیق ہے، اس کو ماننا اور اس کا اظہار کرنا خدا کا شکر ادا کرنا ہے جبکہ اس میں کیڑے نکالنا، ناشکری اور نافرمانی کی مد میں شامل ہوتا ہے، ہم صرف یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ دو مختلف مزاجوں والے بھی ایک دوسرے کے جانشین ہوتے ہیں، تاریخ اسلام کا مطالعہ رکھنے والے اس سے بخوبی واقف ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین حضرت صدیق اکبرؓ ہوئے پھر حضرت عمرؓ ان کے جانشین ہوئے تو ان کا مزاج حضرت ابو بکرؓ سے بالکل ہی مختلف تھا پھر ان کے جانشین حضرت عثمانؓ ہوئے تو ان کا مزاج حضرت فاروق اعظمؓ سے یکسر جدا تھا پھر ان کے

جانشین حضرت علی مرتضیٰؑ ہوئے تو وہ بھی حضرت عثمانؓ سے جدا گانہ مزاج رکھتے تھے، اپنے اپنے ادوار خلافت میں ہر ایک کی ضرورت کے مطابق ترجیحات بھی مختلف رہی ہیں، چاریاری کی نسبت رکھنے والے مولانا عبدالرحیم چاریاری صاحب کم از کم اپنے نعرہ حق چاریار میں ہی جانشینی کے حوالے سے سبق حاصل کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان حضرات کے خون کے گروپ، امزجہ اور ترجیحات کے مختلف ہونے پر ان کے ایک دوسرے کے جانشین ہونے کا ہی انکار نہ کر دیں حالانکہ قرآن کریم نے ان لوگوں کے مختلف المزاج ہونے پر شہادت دی ہے، محمد الرسول اللہ والذین معه اشداء علی الکفار رحماء بینہم تراہم رکعاً سجداً الا یہ اس کے باوجود دنیاۓ اسلام نے ان حضرات کو ایک دوسرے کا جانشین تسلیم کیا ہے۔

پھر فقہ حنفی کے مقتداء و پیشوا حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگردوں کے امزجہ بھی مختلف رہے ہیں اور تاریخ اسلام اس بات پر شاہد ہے کہ ان میں ہزاروں مسائل میں اختلاف بھی رہا ہے، کام کے شعبہ جات بھی مختلف رہے ہیں مثلاً اگر حضرت امام ابو حنیفہؒ پڑے کے تاجر تھے تو حضرت امام ابو یوسفؒ سرکاری عہدہ دار رہے ہیں جبکہ امام ابو حنیفہؒ نے سرکاری عہدہ سے اباء کی بناء پر ہی جیل میں جام شہادت نوش فرمایا تھا، قاضی القضاۃ کے جس منصب کو قبول نہ کرنے پر حضرت امام ابو حنیفہؒ نے جیل کی سزا کاٹی ہے وہ منصب ان کے جانشین حضرت امام ابو یوسفؒ نے قبول فرمالیا تھا لیکن اس سے احناف میں ان کی حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑا، بایں ہمہ یہ ایک دوسرے کے جانشین تھے اور دنیاۓ احناف ان کو ان کا جانشین مانتی چلی آرہی ہے۔

پھر مسلک دیوبند میں بھی ایسے سینکڑوں علماء گزرے ہیں جن کے جانشینوں کا مزاج اور طریقہ کار مختلف رہا ہے، مثلاً بانی دارالعلوم دیوبند حمید الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ جو بیک وقت محقق عالم، مناظر، مجاہد اور صوفی تھے ان کے جانشین اور صاحبزادے حضرت مولانا حافظ محمد احمدؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کا مزاج، ترجیحات اور طریقہ کار بالکل ہی مختلف رہا ہے اور پھر ان کے صاحبزادے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کا مزاج ان سے بھی مختلف رہا ہے اور ان کے بعد ان کے عہدہ پر

فائز ہونے والے ہر آدمی کا مزاج، خون کا گروپ اور وقتی ضروریات اور ترجیحات میں طریقہ کار مختلف رہا ہے، اس پر اگر تفصیل سے لکھا جائے تو یہ ایک مستقل موضوع ہے، لیکن اس سب کے باوجود دنیائے دیوبندیت نے ان حضرات کو ایک دوسرے کا کامیاب جانشین تسلیم کیا ہے، ان حضرات کے ماننے والوں نے ایک دوسرے کے ساتھ تقابل کی فضاء پیدا کر کے ان کی توہین نہیں کی، چاریاری صاحب نے یہ اپنا خود ساختہ کلیہ صرف مولانا راشدی کی جانشینی پر قدغن لگانے کے لئے ایجاد کیا ہے، ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ آپ یا آپ کے چند مٹھی بھر ساتھی انہیں امام اہل سنت کا جانشین تسلیم نہیں کرتے، زمانہ گواہ ہے کہ ان کا تمام خاندان، ادارے، جماعتیں اور ایک خلق خدا انہیں ہی امام اہل سنت کا جملہ پہلوؤں میں کامیاب جانشین تسلیم کرتے ہیں، وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

۔ ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشنده

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”اختلاف امتی رحمة“ میری امت کا اختلاف رحمت ہے جبکہ چاریاری صاحب جیسے لوگوں نے اسے زحمت کی شکل دینے پر کمر کس رکھی ہے۔ اب تو صرف اسی بات کا خطرہ لاحق رہتا ہے کہ ہمارے مخدوم و محترم مولانا عبدالرحیم چاریاری صاحب کسی وقت بھی اپنی چھری تیز کریں گے اور امام محمدؒ اور امام قاضی ابو یوسفؒ کی گردنوں تک بھی یہ کہتے ہوئے پہنچ جائیں گے کہ ان حضرات نے اپنے استاد امام اعظم ابو حنیفہؒ سے ہزار ہا معاملات میں اختلاف کیوں کیا ہے لہذا نہ تو یہ ان کے جانشین کہلا سکتے ہیں اور نہ ہی ان کا فتویٰ امام اعظمؒ کے فتویٰ کے قائم مقام ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جانشین امام اہل سنت کے حاسدین کو ہدایت نصیب فرمائے، آمین ثم آمین۔

حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب فرماتے ہیں: ”امت مسلمہ کی غالب اکثریت اور اجتماعی دھارے نے اپنے لیے ”اہل السنۃ والجماعۃ“ کا ٹائٹل اختیار کر کے اس تحریف و تلبیس کے راستے میں بھی مضبوط اور ناقابل شکست دیوار کھڑی کر رکھی ہے کہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جماعت صحابہ کو دین کی تعبیر و تشریح کا حتمی معیار تسلیم کر لینے کے بعد کسی ایسی تحریف و تلبیس کا راستہ کھلا نہیں رہ جاتا جس پر چل کر یہود و نصاریٰ کی طرح قرآن و سنت کو من مانے معانی اور خود ساختہ تعبیر و تشریح کا جامہ پہنایا جاسکے“ (عصر حاضر میں اجتہاد صفحہ ۲۶)

آزاد فورم کیا ہے؟

محترم مولانا محمد عبدالرحیم چاریاری صاحب نے اپنی کتاب ”نوازشات“ کے دسویں باب کو علامہ راشدی صاحب کا ماہنامہ الشریعہ ہر قسم کی شرعی، اسلامی، دینی، مسلکی اور مذہبی پابندیوں سے بالکل ”آزاد فورم“ کا عنوان دیا ہے، جسے ہمارے مخدوم اور محترم حضرت مولانا صاحبزادہ حافظ عبدالحق خان بشیر نقشبندی صاحب کے فرزند اکبر جناب محترم حافظ ممتاز الحسن خان احسن خدای صاحب نے تحریر کیا ہے۔ اس باب میں جناب احسن خدای صاحب محترم نے ماہنامہ الشریعہ کی مسخ شدہ صورت پیش کرنے کے لئے جس ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا ہے، وہ انہی کا خاصہ ہے۔ اس باب کے مطالعہ کے دوران یہ بات تو خوب نکھر کے ہمارے سامنے آگئی ہے کہ خدای صاحب نے اپنے ذہن میں الشریعہ کا جو تصور قائم کر رکھا ہے اور جسے انہوں نے اپنے قارئین تک منتقل کیا ہے، وہ انتہائی ناقص اور ادھورا ہے۔ معلوم پڑتا ہے کہ انہوں نے ”الشریعہ“ کی پالیسی پڑھی ہی نہیں اور اگر پڑھی بھی ہے تو وہ اپنے مخدوم و راہنما چاریاری صاحب کی پیروی میں تصویر کا صرف ایک رخ دیکھنے اور دیکھانے پر یقین رکھتے ہیں۔ خدای صاحب محترم نے الشریعہ کی مقصدیت سے ہٹ کر اسے کس انداز میں پیش کیا ہے، ذیل کے اقتباس سے اس کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ”کیا ”آزاد فورم“ میں ہر قسم کی چیزیں شائع ہو سکتی ہیں؟ کیا اس میں ”فرقہ واریت“ پر مبنی مواد کی اشاعت کیلئے گنجائش موجود ہے؟ کیا اس میں لسانی تعصب پر مبنی لٹریچر شائع ہو سکتا ہے؟ کیا اس میں ملکی سالمیت کے لیے خطرہ بننے والی چیزوں کی جگہ موجود ہے؟ اگر کوئی فلمی اداکاروں کے حالات یا ان کی فحش تصاویر اشاعت کیلئے ”آزاد فورم“ میں بھیج دے تو کیا انہیں شائع کر دیا جائے گا؟ اگر نہیں تو پھر یہ ”آزاد فورم“ ”آزاد فورم“ کیوں ہے؟ اور ”محترم

اخلاق“ مضامین کو شائع نہ کرنے اور مخرب اسلام مضامین کو شائع کرنے کا ”آزاد فورم“ والوں کے پاس کیا جواز ہے؟“

اس مضمون کے دیگر مندرجات بھی اسی قسم کی مضحکہ خیز باتوں پر مشتمل ہیں ، جو ”الشریعہ“ کی پالیسی سے عدم واقفیت کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان سطور میں ہم آزادانہ مباحثہ سے متعلق الشریعہ اور مولانا زاہد الراشدی صاحب کی پالیسی اور اس کے دیگر متعلقات کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اس امید کے ساتھ کہ تعصب کی پٹی آنکھوں سے اتارنے کے بعد ہی اس کا مطالعہ کیا جائے گا۔ انشاء اللہ

”الشریعہ“ کی غرض و غایت

ماہنامہ الشریعہ کی سترہویں جلد کے آغاز کے موقع پر مفکر اسلام حضرت مولانا علامہ زاہد الراشدی صاحب رقمطراز ہیں کہ ”الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ کے اس ترجمان کی ابتدا اس عزم کے ساتھ ہوئی تھی کہ دور حاضر کے مسائل اور چیلنجز کو سامنے رکھتے ہوئے اسلامی تعلیمات و احکام کو جدید اسلوب اور تقاضوں کے مطابق پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی، عالم اسلام کے علمی و دینی حلقوں کے درمیان رابطہ و مفاہمت کے فروغ کی راہ ہموار کی جائے گی، اسلام دشمن لابیوں اور حلقوں کے تعاقب اور نشان دہی کا فریضہ انجام دیا جائے گا اور دینی حلقوں میں فکری بیداری کے ذریعے سے جدید دور کے علمی و فکری چیلنجز کا ادراک و احساس اجاگر کیا جائے گا۔ ان مقاصد کی طرف ہم کس حد تک پیش رفت کر پائے ہیں، اس کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا، البتہ ہمارے لیے یہ بات بہر حال اطمینان بخش ہے کہ اہداف و مقاصد بدستور ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں اور ہم اپنی بساط اور استطاعت کی حد تک ان کے لیے مسلسل مصروف عمل ہیں۔

اس دوران میں ہماری بھرپور کوشش رہی ہے کہ پیش آمدہ مسائل پر دینی حلقوں میں بحث و مباحثہ کا ماحول پیدا ہو اور کسی بھی مسئلہ پر اپنا موقف پیش کرنے کے ساتھ ساتھ دوسرے فریق کا موقف اور دلائل بھی حوصلہ اور اطمینان کے ساتھ سننے اور پڑھنے کا مزاج

بنے، کیونکہ اس کے بغیر کسی مسئلہ پر صحیح رائے اور نتیجہ تک پہنچنا ممکن نہیں ہوتا۔ مگر بد قسمتی سے ہمارے ہاں تحقیق، مطالعہ، مباحثہ اور مکالمہ کی روایت ابھی تک جڑ نہیں پکڑ سکی اور چند شخصیات کے استثناء کے ساتھ عمومی ماحول یہی ہے کہ دلائل کی روشنی میں رائے قائم کرنے کے بجائے رائے قائم کر کے اس کے لیے دلائل تلاش کیے جاتے ہیں۔ ہماری کوشش رہی ہے اور آئندہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ رہے گی کہ دینی حلقوں، بالخصوص علماء کرام اور طلبہ کو دنیا کے معروضی حالات اور حقائق سے آگاہی حاصل کرنے اور آج کے معاصر علمی و فکری حلقوں کے موقف، دلائل اور طرز استدلال سے شناسا ہونے کے لیے آمادہ کیا جائے اور انھیں اس ضرورت کا احساس دلایا جائے کہ آج کی دنیا سے بات کرنے کے لیے آج کی زبان اور اسلوب پر دسترس ناگزیر ہے اور ہم ماضی کے اسلوب اور طرز استدلال کے ذریعے آج کی دنیا تک اسلام کا پیغام اور تعلیمات پہنچانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

یہ بات بھی ہمارے ایجنڈے کا حصہ چلی آ رہی ہے کہ جدید اسلوب اور طرز استدلال کی طرح ابلاغ کے جدید ذرائع اور تکنیک تک دینی حلقوں اور علماء کرام کی رسائی بھی انتہائی ضروری ہے اور ہم اس ضرورت کی طرف دینی حلقوں کو مسلسل توجہ دلا رہے ہیں۔

ہم وہی بات کہہ رہے ہیں جو تین صدیاں قبل حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے فرمائی تھی کہ آنے والے دور میں دین کو صحیح طور پر پیش کرنے کے لیے عقلی استدلال کے ہتھیار سے کام لینا ہوگا اور فکری جمود کے دائرے سے نکل کر کھلے دل و دماغ کے ساتھ مسائل کا تجزیہ کرنا ہوگا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بات تین سو سال قبل کے ماحول میں فرمائی تھی اور ہم اسی بات کو تین سو سال کے بعد آج کے حالات اور تناظر میں دینی حلقوں اور ارباب علم و دانش کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ بعض دوستوں کو ہمارا کہنے کا انداز حضرت شاہ صاحبؒ سے مختلف دکھائی دے، مگر مقصد اور اہداف کے اعتبار سے ہم وہی کچھ عرض کر رہے ہیں جو تین صدیاں قبل امام ولی اللہ دہلویؒ پورے شرح و بسط کے ساتھ تحریر فرما چکے ہیں۔

ہمارا طریق کار یہ ہے کہ بعض مسائل کو ہم از خود چھیڑتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ ہمارا

موقف بھی وہی ہو جو کسی بحث کا آغاز کرتے ہوئے ”الشریعہ“ کے صفحات میں پیش کیا گیا ہے، مگر ہماری خواہش ہوتی ہے کہ دینی حلقوں کے ارباب فکر و دانش اس طرف توجہ دیں، مباحثہ میں شریک ہوں اپنا نقطہ نظر دلائل کے ساتھ پیش کریں، جس موقف سے وہ اختلاف کر رہے ہیں، اس کی کمزوری کو علمی انداز سے واضح کریں اور قوت استدلال کے ساتھ اپنی برتری کو واضح کریں، کیونکہ اب وہ دور نہیں رہا کہ کسی مسئلہ پر آپ اپنی رائے پیش کر کے اس کے حق میں چند دلائل کا تذکرہ کرنے کے بعد مطمئن ہو جائیں کہ رائے عامہ کے سامنے آپ کا موقف واضح ہو گیا ہے اور آپ کی بات کو قبول کر لیا جائے گا۔ آج کا دور تقابلی مطالعہ کا دور ہے، تجزیہ و استدلال کا دور ہے اور معروضی حقائق کی تفصیلات و جزئیات تک رسائی کا دور ہے۔ آپ کو یہ سارے پہلو سامنے رکھ کر اپنی بات کہنا ہوگی اور اگر آپ کی بات ان میں سے کسی بھی حوالے سے کمزور ہوگی تو وہ پذیرائی حاصل نہ کر سکے گی۔ ہم جب کسی مسئلہ پر بحث چھیڑتے ہیں تو امکانی حد تک اس کے بارے میں تمام ضروری پہلوؤں کو اجاگر کرنا ہمارا مقصد ہوتا ہے اور ہماری کوشش ہوتی ہے کہ ”الشریعہ“ میں شائع ہونے والے کسے موقف کے حق میں یا اس کے خلاف موصول ہونے والا کوئی مضمون یا مراسلہ اشاعت سے رہ نہ جائے اور اس بحث کا کوئی پہلو تشنہ نہ رہے۔

اس صورت حال سے بعض دوستوں کو الجھن ہوتی ہے اور وہ اس کا اظہار بھی کرتے ہیں، مگر ہمارے خیال میں یہ الجھن عام طور پر دو وجہ سے ہوتی ہے۔ ایک اس وجہ سے کہ بہت سے دوست ہمارے اس طریق کار اور مقصد کو سمجھ نہیں پاتے جس کا سطور بالا میں تذکرہ ہو چکا ہے اور دوسرا اس وجہ سے کہ ہمارے خاندانی پس منظر کے باعث بہت سے دوست ”الشریعہ“ کو ایک مسلکی جریدہ کے طور پر دیکھنے کے خواہش مند رہتے ہیں۔ جہاں تک ہمارے مسلک و مشرب کا تعلق ہے، ہم نے سولہ برس قبل ”الشریعہ“ کے پہلے شمارے میں یہ بات دو ٹوک طور پر واضح کر دی تھی کہ ہم اہل السنۃ والجماعۃ میں سے ہیں اور اہل سنت کے مسلمات کی پابندی کو اپنے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ ہم فقہی مذہب کے لحاظ سے حنفی ہیں اور

فروع واحکام میں حنفی مذہب کے اصول اور تعبیرات کو ترجیح دیتے ہیں، جبکہ مسلک و مشرب کے حوالے سے دیوبندی ہیں اور اکابر علماء دیوبند کثر اللہ جماعتہم کی جدوجہد اور افکار سے راہ نمائی حاصل کرنا اپنے لیے باعث سعادت تصور کرتے ہیں، لیکن ”الشریعہ“ کو مسلکی ترجمان کے طور پر ہم نے کبھی پیش نہیں کیا۔ مسلک کی ترجمانی کے لیے ملک میں درجنوں جرائد موجود ہیں اور ہم بھی اس مقصد کے لیے ان سے حتی الوسع تعاون کرتے ہیں، مگر ہمارا عملی میدان اس سے بالکل مختلف ہے۔ ہماری تگ و تاز کا دائرہ فقہی اور مسلکی کشمکش نہیں، بلکہ مغرب کے فکر و فلسفہ اور تہذیب و ثقافت کی وسیع تر یلغار کے تناظر میں اسلامی تعلیمات واحکام کو جدید زبان اور اسلوب میں پیش کرنا ہے۔ اس کا مطلب فقہی اور مسلکی جدوجہد کی ضرورت سے انکار نہیں بلکہ یہ ایک تقسیم کار ہے کہ دینی جدوجہد کا یہ شعبہ ہم نے اپنی جدوجہد کے لیے مختص کر لیا ہے اور اسی میں اپنی صلاحیتیں صرف کرنا چاہتے ہیں۔

بعض دوستوں نے یہ شکوہ کیا ہے کہ ”الشریعہ“ میں بسا اوقات ایک ہی مسئلہ پر متضاد مضامین شائع ہوتے ہیں اور بعض مضامین اہل سنت، حنفیت اور دیوبندیت کے حوالوں سے روایتی موقف سے متضاد ہوتے ہیں۔ ہمیں اس سے انکار نہیں ہے، مگر اس کی وجہ وہی ہے جس کا سطور بالا میں ہم تذکرہ کر چکے ہیں کہ ہم علمی و فکری مسائل میں ارباب علم و دانش کو بحث و مباحثہ کے لیے کھلا ماحول اور فورم مہیا کرنا چاہتے ہیں اور دینی حلقوں میں باہمی مکالمہ کا ذوق بیدار کرنا چاہتے ہیں۔ یہ طریق کار انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی جاری رہے گا..... اس سلسلہ کو ”مباحثہ و مکالمہ“ کا مستقل عنوان دیا جا رہا ہے اور یہ بات اصولاً واضح و بے غبی ہے کہ اس عنوان کے تحت شائع ہونے والے کسی مضمون سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔“

بحث و مباحثہ کی ضرورت و اہمیت

جانشین امام اہل سنت حضرت مولانا علامہ زاہد الراشدی صاحب فرماتے ہیں کہ ”جہاں تک علمی مسائل میں آزادانہ بحث و مباحثہ کا تعلق ہے، یہ بات درست ہے کہ ”الشریعہ“ نے گزشتہ بیس سال کے دوران اس کا ماحول پیدا کرنے کی مسلسل کوشش کی ہے اور اب بھی یہ

ہمارے اہداف میں شامل ہے، اس لیے کہ آج کے حالات میں آزادانہ بحث و مباحثہ کے بغیر کسی بھی مسئلے میں منطقی نتیجے تک پہنچنا ممکن نہیں ہے اور عالمی ذرائع ابلاغ اور تعلیمی مراکز نے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں مختلف اطراف سے شکوک و شبہات پیدا کرنے کی مہم شروع کر رکھی ہے، اس کے اثرات سے نئی نسل کو محفوظ رکھنے کے لیے ہمارا روایتی اسلوب کافی نہیں ہے۔ ماضی نے اپنا علمی خزانہ کتابوں اور سی ڈیز کی شکل میں اگل دیا ہے اور آج کوئی بھی ذی استعداد اور باصلاحیت نوجوان اپنے چودہ سو سالہ علمی ماضی کے کسی بھی حصہ کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہے یا کسی بھی طبقے کا موقف اور دلائل معلوم کرنا چاہے تو اسے اس کے بھرپور مواقع اور وسائل ہر وقت میسر ہیں۔ اس ماحول میں یہ کوشش کرنا کہ نوجوان اہل علم صرف ہمارے مہیا کردہ علم اور معلومات پر قناعت کریں اور علم اور معلومات کے دیگر ذرائع سے آنکھیں اور کان بند کر لیں، نہ صرف یہ کہ ممکن نہیں ہے بلکہ فطرت کے بھی منافی ہے۔ اس لیے آج کے دور میں ہماری ذمہ داری پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے اور یہ بات ہمارے فرائض میں شامل ہو جاتی ہے کہ مطالعہ اور تحقیق کے اس سمندر سے نئی نسل کو روکنے کے بجائے خود بھی اس میں گھسیں اور متنوع اور مختلف الجہات ذرائع سے معلومات میں حق کی تلاش یا حق کے دائرے محفوظ رکھنے کے لیے ان کی رہنمائی کریں۔ کسی دوست کو یہ طریقہ پسند ہو یا نہ ہو، لیکن میں اسی کو صحیح سمجھتا ہوں۔ اس کے لیے بحث و مباحثہ ضروری ہے، مسائل کو تجزیہ و تنقیح اور دلائل کی روشنی میں ان کا حل خالص علمی انداز میں تلاش کرنا ضروری ہے، البتہ اس بحث و مباحثہ میں علمی اصول اور مسلمات کا لحاظ اور گفتگو کو ان کے دائرے میں محدود رکھنا بھی اسی کا ناگزیر تقاضا ہے۔

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کے نام اپنے ایک مکتوب میں

فرماتے ہیں،

”تدوین فقہ پر کام شروع کر دیا گیا تھا۔ ۱۰۰ صفحات سے زیادہ جامعہ عثمانیہ کے ریسرچ

جرنل میں شائع بھی ہو چکا تھا۔ اگرچہ اس کی حیثیت بالکل مقدمہ کتاب کی تھی، تاہم لوگوں

نے پسند کیا تھا..... یوں تو اس کتاب کے سلسلہ میں خدا ہی جانتا ہے کہ کن کن باتوں کے لکھنے کا ارادہ تھا، لیکن ہندی ”مجددیت“ کی تین خاص باتوں میں سے ارادہ تھا کہ اس خاص مسئلہ کا مالہ و ماعلیہ پر اس کتاب میں بحث کی جائے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے الف ثانی کے مجدد ہند رحمۃ اللہ علیہ نے ارقام فرمایا ہے۔

دردیار ہندوستان کہ اس ابتلا بیش تراست، دریں مسئلہ کہ عموم بلوئی دارد اولیٰ کہ فتویٰ باہل وایسر امور ہند۔ اگر موافق مذہب خود نبود بقول ہر مجتہد کہ باشد۔ (مکتوب ۲۲)

”اس خطہ ہندوستان میں جہاں ابتلا کی یہ صورت زیادہ پیش آئی ہے تو عموم بلوئی (عام مصیبت) کی حیثیت اس مسئلہ نے اختیار کر لی ہے۔ یعنی بہتر اور زیادہ پسندیدہ بات ہے کہ فتویٰ اس پہلو کے مطابق دیا جائے جو آسان اور زیادہ سہل ہو، خواہ فتویٰ دینے والے مفتی کے مسلک کے مطابق یہ فتویٰ نہ ہو۔ کسی دوسرے مجتہد کے قول کے مطابق فتویٰ کا ہونا ایسی صورت میں کافی ہے۔“

عام مولویوں کے لیے ظاہر ہے کہ فتوے میں اتنی مطلق العنانی ذرا مشکل ہی سے قابل برداشت خصوصاً اس زمانہ میں ہو سکتی تھی جس زمانے میں مجدد رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے تھے کہ ندوہ اس وقت تک ہندوستان میں قائم نہیں ہوا تھا، اس لیے بجائے فقہ یا آثار و اخبار کے اس موقع پر حضرت مجدد نے قرآنی آیات ہی کو استدلال میں پیش کیا ہے۔ لکھا ہے

قال اللہ تعالیٰ یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر وقال تعالیٰ یرید اللہ ان یخفف عنکم وخلق الانسان ضعیفا۔

”اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تمہارے ساتھ اللہ آسانی چاہتا ہے اور دشواری پیدا کرنا نہیں چاہتا۔ دوسری جگہ ہے کہ تمہارے بار کو ہلکا کرنا چاہتا ہے اور انسان تو کمزور ناتواں پیدا کیا گیا ہے۔“

آگے ہند کے اسی مجدد نے لکھا ہے کہ

بر خلق ننگ گرفتن ایشان را رنجانیدن حرام است

”عام مخلوق کو سختی کے ساتھ پکڑنا اور ان کے دلوں کو (اپنی تنگی گرفت سے) دکھانا

حرام ہے۔“

یہ مکتوب گرامی اس قسم کے گراں مایہ تجدیدی زریں دانش آموزیوں سے معمور ہے۔ اس زمانے میں ہم عام مولوی لوگ معیاری اسلام کو ہاتھ میں لے کر غریب مسلمان کی زندگی کا جو جائزہ لیتے رہتے ہیں اور آئے دن ان کے مومن قلب کو دکھاتے رہتے ہیں، دل چاہتا تھا کہ حضرت مجدد کے مشوروں کو اس سلسلہ میں ان کے آگے رکھتا۔ نیز معمولی عام کتابوں میں تلفیق کے نام سے مسلمانوں میں خوف و دہشت کی کیفیت پیدا کر دی گئی ہے، یعنی مجتہدین آئمہ ہدیٰ میں سے کسی امام کے اجتہادی نتائج کے ساتھ ہم آہنگی کا فیصلہ تاریخ کے مختلف ممالک کے مسلمانوں کو کرنا پڑا تو سمجھایا جاتا ہے کہ آئندہ اپنے اپنے مانے ہوئے امام کے خلاف عمل کی اجازت ان کی آئندہ نسلوں کو نہیں دی جائے گی۔ ایسے آدمی کو فعل مذموم اور ”عمل تلفیق“ کا مرتکب ٹھہرا دیا جاتا ہے۔ واقع کے لحاظ سے مسئلہ کی صحیح صورت حال چونکہ یہ نہیں ہے، ارادہ تھا کہ کافی بسط و تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ پر بحث کی جائے، مگر بحث کے میدان ہی سے جو نکال دیا گیا، وہ کیا کرے۔“ (صدق جدید، ۲۲ جولائی ۱۹۵۶ء)

اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے فقہی ذوق کا حوالہ دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں، جو ”فتاویٰ مفتی محمود“ کے دیباچہ میں مولانا مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ نے حضرت مولانا محمد عبید اللہ دامت برکاتہم (مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور) کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ حضرت مولانا عبید اللہ مدظلہ، حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے ساتھ ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں

”مفتی صاحبؒ نے اس ملاقات میں مجھ سے ایسی بہت سی باتیں کہیں جن سے میرے دل کو تسلی ہوئی۔ مجھے اس بالمشافہہ گفتگو سے اندازہ ہو گیا کہ مفتی صاحبؒ اپنے دل میں ”اتحاد بین المسلمین“ کے لیے بڑی تڑپ رکھتے ہیں اور فرقہ واریت سے انہیں طبعی نفرت ہے۔ چونکہ اس وقت وہ نوجوان تھے، اس لیے ایک نوجوان عالم کی زبانی اتنی سنجیدہ اور فکر انگیز گفتگو میرے لیے خوشی کا باعث بنی۔ نوجوان عموماً جذباتی ہوتے ہیں، ان کی سوچ بھی جذباتی ہوتی

ہے، ان کے فیصلے بھی جذباتی ہوتے ہیں۔ مجھے اطمینان ہوا کہ ہمارے ہم عصر علماء میں وہ ایک پختہ فکر، صائب الرائے اور زیرک انسان ہیں۔ ان کی یہی صفت میرے دل کو بھائی۔ اس کے بعد ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ ان ملاقاتوں میں علمی، سیاسی اور ملی مسائل کے علاوہ بین الاقوامی مسائل بھی زیر بحث آئے اور ان کی فقہی رائے کو میں نے ہمیشہ قوی پایا۔

بعض مسائل میں وہ اپنی انفرادی رائے بھی رکھتے تھے۔ مثال کے طور پر فقہی مسائل پر عمل کے سلسلہ میں ان کی رائے یہ تھی کہ مخصوص حالات میں ایک حنفی کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی خاص مسئلے میں آئمہ اربعہ میں سے کسی کی پیروی کرے۔ ایسا آدمی ان کے نزدیک حنفیت سے خارج نہیں ہوتا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ نے متعدد مسائل میں امام صاحبؒ سے اختلاف کیا ہے۔ ان کی اپنی ترجیحات ہیں، لیکن ان پر حنفیت سے خروج کا الزام نہیں لگایا جاسکتا۔ وہ اپنے اختلاف اور ترجیحات کے باوجود حنفی تھے۔ اسی طرح اگر کسی مسئلہ میں امام صاحبؒ کا قول موجود نہ ہو یا موجود تو ہو مگر سمجھ میں نہ آئے یا سمجھ بھی آئے لیکن حالات کی خاص نوعیت کے تحت اس پر عمل ممکن نہ ہو تو کسی دوسرے امام کی پیروی درست ہوگی۔ اس سلسلے میں ان کا کہنا یہ تھا کہ اگر ایسی شکل و صورت پیش آجائے تو صاحبینؒ کے قول پر عمل کیا جائے۔ اگر صاحبینؒ کے قول میں بھی یہی صورت پیش آجائے تو امام محمدؒ کے قول کو ترجیح دی جائے۔ اس کے بعد آئمہ اربعہ میں سے کسی ایک کے اقرب قول پر عمل کر لیا جائے۔ ان کے نزدیک کسی خاص مسئلہ میں خروج عن الحنفیت تو جائز ہے، لیکن مذاہب اربعہ سے خروج جائز نہیں ہے۔ اس نقطہ نظر میں مولانا مفتی محمودؒ منفرد تھے۔ تاہم وہ اس بات کے بھی قائل تھے کہ ایسا کرنا ان علماء کا کام ہے جن کی مذاہب اربعہ پر وسیع نظر ہے، جو کسی مسئلہ کے ترجیحی پہلوؤں کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ عام آدمی کے لیے یہ درست نہیں ہے کہ وہ سنی سنائی باتوں پر عمل کرے، کیونکہ ایسی اجازت دینے سے اس کے عقیدے میں خلل آسکتا ہے اور لوگ اپنی مرضی سے ادھر ادھر بھٹکنے کے عادی بن سکتے ہیں، جب کہ ایسی صورت صرف اس وقت پیش آسکتی ہے، جب ملکی قوانین کی تدوین کی صورت میں علما کسی

مشکل سے دوچار ہو جائیں تو وہ اس عاریت سے فائدہ اٹھا سکیں، کیونکہ اصل چیز امام کا قول نہیں، اصل چیز وہ نص ہے جس کی روشنی میں یہ قول متشکل ہوا ہے، یعنی منصوص چیزیں جو آئمہ اربعہ کی علمی تحقیقات کے نتیجے میں معلوم ہوئیں۔ آئمہ اربعہ نے بے پناہ تحقیق و جستجو کے بعد قرآن و حدیث سے مسائل مستنبط کیے ہیں، اس لیے یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ کسی مسئلہ پر اگر احناف کے ہاں کوئی دلیل یا سند نہیں ہے تو دوسرے مذاہب سے اسے لینا درست ہوگا، بشرطیکہ وہ وہاں بہتر صورت میں موجود ہو۔“

حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے فقہی ذوق اور علمی اسلوب کے بارے میں حضرت مولانا عبید اللہ دامت برکاتہم کا یہ ارشاد گرامی تفصیل کے ساتھ میں نے اس لیے نقل کیا ہے کہ میرا طالب علمانہ ذوق بھی بعینہ اسی طرح کا ہے، البتہ حضرت مولانا عبید اللہ دامت برکاتہم نے اسے حضرت مولانا مفتی محمودؒ کا انفرادی ذوق بتایا ہے، جب کہ میرے خیال میں اور بزرگ بھی اس ذوق میں ان کے ساتھ شریک ہیں، جیسا کہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی اپنی کتاب ”اسلامی بینکاری۔ تاریخ و پس منظر اور غلط فہمیوں کا ازالہ“ میں لکھتے ہیں کہ

”حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت گنگوہیؒ سے معاملات کے اندر اس بات کی صریح اجازت لی ہے کہ معاملات میں لوگوں کی آسانی کے لیے آئمہ اربعہ میں جہاں توسع ہو، اسے لیا جائے۔“ حضرت گنگوہیؒ سے صریح اجازت لی، میں نے یہ الفاظ حضرت والد صاحب (مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ) سے بعینہ سنے ہیں اور ایک جگہ حضرت والد صاحبؒ نے لکھے بھی ہیں۔“

اس لیے اسے حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی انفرادی رائے یا ذوق سے تعبیر کرنا شاید درست نہ ہو، تاہم ان بزرگوں کے ارشادات کی روشنی میں میری طالب علمانہ ترجیحات کچھ اس طرح ہیں کہ

☆ کسی عام شخص کو یہ حق نہیں ہے، حتیٰ کہ کسی عالم کے لیے بھی مناسب نہیں ہے کہ وہ اس قسم کے توسع سے فائدہ اٹھانے کا از خود فیصلہ کرے، بلکہ اس کے لیے کسی ذمہ دار مفتی سے

رجوع ضروری ہے اور اس کے فتوے کے ذریعے ہی یہ سہولت استعمال کی جاسکتی ہے۔ خود میرا ذاتی معمول یہ ہے کہ درجنوں مسائل میں اپنے مطالعہ اور تحقیق کی بنیاد پر منفرد رائے رکھتا ہوں اور اس کے لیے دلائل پر مجھے اطمینان بھی حاصل ہوتا ہے، مگر اس وقت تک عمل نہیں کرتا جب تک کوئی ذمہ دار مفتی اس کی اجازت نہ دے دے۔

☆ مفتی کا یہ حق ہے کہ وہ کسی مسئلے میں لوگوں کو سہولت اور آسانی فراہم کرنے یا کسی الجھے ہوئے مسئلے کا حل نکالنے کے لیے اس توسع سے فائدہ اٹھائے اور اسے استعمال میں لائے، مگر چونکہ ہم نے ملک میں مفتیوں کا ”اتوار بازار“ ہر طرف سجا رکھا ہے، اس لیے مفتی صاحبان میں یہ درجہ بندی کرنا ہوگی کہ کس طرح کے مفتی صاحب کو یہ حق ہے اور کس درجہ کے مفتی صاحب کو یہ حق استعمال کرنے کی اجازت دینا مناسب نہیں ہے۔

☆ میری طالب علمانہ ترجیحات میں حاجات عامہ، ملکی قوانین کی تدوین اور اجتماعی معاشرتی الجھنوں کا حل تلاش کرنے کا میدان فتویٰ کے میدان سے مختلف ہے، اس لیے ایسے معاملات میں فتویٰ کے اصول اور ترجیحات کو بنیاد بنانے کے بجائے تحقیق اور استدلال کا قدرے وسیع دائرہ متعین کرنا ہوگا اور اس کے لیے اہل سنت والجماعت کے علمی اصول اور مسلمات کو دائرہ قرار دینا زیادہ مناسب ہوگا۔

میرا میدان فتویٰ کا نہیں ہے اور نہ کبھی فتویٰ دیا ہے۔ کوئی اجتماعی مسئلہ ہو اور ذمہ دار مفتی صاحبان نے فتویٰ صادر کیا ہو تو دوستوں کے اصرار پر اس پر دستخط کر دیتا ہوں، ورنہ فتویٰ طلب کرنے والوں کو کسی دارالافتاء سے رجوع کے لیے کہہ دیا کرتا ہوں۔ اس سلسلے میں ایک لطیفہ نما واقعہ کا ذکر کرنا شاید نامناسب نہ ہو کہ چند ماہ قبل میں مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ میں اپنے دفتر میں بیٹھا تھا کہ دونو جوان لڑکیاں، جو کسی کالج کی سٹوڈنٹ تھیں، آگئیں اور مجھ سے ایک مسئلہ پوچھا۔ میں نے اپنی سمجھ کے مطابق بتا دیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس پر فتویٰ لینا چاہتی ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ میں فتویٰ نہیں دیا کرتا۔ کسی مفتی صاحب کے پاس تشریف لے جائیں۔ ایک لڑکی نے تعجب سے میری طرف دیکھا اور پوچھا کہ آپ مولانا

زائد الراشدی ہیں؟ میں نے کہا کہ وہی ہوں، لیکن فتویٰ نہیں دیا کرتا۔ اس نے کہا کہ آپ کا تو بڑا نام سن رکھا ہے۔ میں نے کہا، سن رکھا ہوگا، مگر میں مفتی نہیں ہوں۔ پھر ان بچیوں نے اپنے گھر کے کسی معاملہ کا ذکر کیا اور کہا کہ ہمارے گھر میں کچھ اثرات محسوس ہوتے ہیں، ان کا کوئی علاج بتادیں۔ میں نے کہا کہ بیٹا، میں یہ کام بھی نہیں کرتا، کسی عامل سے رجوع کریں۔ اس پر ایک لڑکی نے تقریباً پھٹ پڑنے کے انداز میں مجھ سے کہا کہ ”آپ یہاں کرتے کیا ہیں؟“ یہ کہہ کر دونوں لڑکیاں وہاں سے چلی گئیں۔

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ میرا میدان فتویٰ کا نہیں ہے، لیکن ملکی قوانین کی تدوین میں رائے دینا، اجتماعی ملی مسائل و مشکلات پر بحث کر کے ان کے حل کا راستہ نکالنا اور بین الاقوامی قانون و ثقافت کے ساتھ اسلامی احکام و قوانین کے ٹکراؤ کا جائزہ لے کر قابل عمل راستہ تلاش کرنا میرا ذوق ہے اور ”الشریعہ“ کا ہدف اور دائرہ کار بھی یہی ہے۔ اس لیے ہماری یہ ہمیشہ درخواست ہوتی ہے کہ ہمارے کام کو فتویٰ کے دائرہ کار کے حوالے سے نہیں بلکہ ملی مسائل میں بحث و مباحثہ کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے۔ مفتی صاحب کوئی فتویٰ دیتے ہیں تو وہ فیصلہ دے رہے ہوتے ہیں، لیکن جب ہم کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہیں تو اس کی حیثیت فیصلہ کی نہیں ہوتی، رائے کی ہوتی ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی مقدمہ پر بحث کے دوران وکیل ہر طرح کی بات کرتے ہیں، مسئلے کے ہر پہلو کو واضح کرتے ہیں، بال کی کھال اتارتے ہیں اور تجربہ و تنقیح کا کوئی پہلو نظر انداز نہیں کرتے، مگر ان کی کوئی بات فیصلہ کا درجہ نہیں رکھتی۔ فیصلہ جج نے کرنا ہوتا ہے اور ہمارے بحث و مباحثہ میں جج کا درجہ امت کے اجتماعی علمی دائرے کو حاصل ہے۔ جو بات اجتماعی قبول کے دائرے میں آ جائے گی، وہ فیصلہ ہوگی اور جس کی وہاں تک رسائی نہ ہوگی، وہ وکیل کی انفرادی نکتہ رسی قرار پا کر فائلوں میں دبی رہ جائے گی۔

عدم مباحثہ کے نقصانات

اب میں اس مسئلے کے دوسرے پہلو کی طرف آتا ہوں کہ ایسے مسائل پر عمومی بحث

و مباحثہ نہ ہونے کے نقصانات کیا ہوتے ہیں اور ہم اس آزادانہ بحث و مباحثہ کو ضروری کیوں سمجھتے ہیں۔ اس کے مختلف پہلوؤں میں سے سر دست ایک پر نظر ڈال لیں کہ کچھ عرصہ سے ہمارے ہاں یہ روایت سی بن گئی ہے کہ ہم کسی اجتماعی مسئلے پر دینی اور شرعی حوالے سے ایک قدم اٹھا لیتے ہیں، فیصلہ کر لیتے ہیں، لیکن اس پر آزادانہ علمی بحث نہ ہونے کی وجہ سے اس فیصلے کی علمی توجیہ سامنے نہیں آتی اور دلائل کا پہلو اوجھل رہتا ہے جس سے کنفیوژن پیدا ہوتی ہے اور فیصلہ ہو جانے اور اس پر عمل درآمد ہو جانے کے باوجود علمی دنیا میں وہ فیصلہ بدستور معلق رہتا ہے۔ مثال کے طور پر ہم نے غلامی کا شعبہ بالکل ترک کر رکھا ہے، حالانکہ غلاموں اور لونڈیوں کے احکام قرآن کریم میں اور احادیث نبویہ میں اور فقہ اسلامی میں صراحت کے ساتھ موجود ہیں، لیکن ان میں سے کسی پر آج عمل نہیں ہو رہا، بلکہ گزشتہ دو صدیوں کے دوران ہم نے دنیا کے کسی بھی حصہ میں ”جہاد“ کے عنوان سے جو جنگ بھی لڑی ہے، اس میں کسی کو نہ غلام بنایا اور نہ لونڈی بنایا ہے، جس کی وجہ سے ان سے متعلق فقہی احکام و قوانین عملاً متروک ہو کر رہ گئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس تبدیلی کی علمی بنیاد کیا ہے اور اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ آپ گزشتہ نصف صدی کے دوران پاکستان کے دینی مدارس سے فارغ ہونے والے علمائے کرام سے استفسار کر لیں۔ ان میں سے شاید ایک فیصد بھی ایسے حضرات نہ نکلیں جو اس کی کوئی علمی توجیہ کر سکیں یا یہ بتا سکیں کہ قرآن و حدیث اور فقہ میں غلامی کے بارے میں واضح احکام موجود ہونے کے باوجود ان پر عمل کیوں نہیں ہو رہا؟ ہم سمجھتے ہیں کہ کم از کم دینی مدارس کے اساتذہ اور طلبہ اور دین کی دعوت و تعلیم سے تعلق رکھنے والے حضرات کو یہ بات ضروری طور پر معلوم ہونی چاہیے کہ ایسا کیوں ہوا ہے، ان احکام پر عمل نہ کرنے کا شرعی جواز کیا ہے، اور کیا یہ عارضی صورت حال ہے یا مستقل طور پر اس کو جاری رکھنا ضروری ہے۔

اسی طرح قادیانیوں کے بارے میں ہم نے اجتماعی طور پر فقہی احکام کو نظر انداز کرتے ہوئے فیصلہ کیا ہے کہ انہیں غیر مسلم اقلیت کے طور پر ملک میں رہنے کا حق دیا جائے گا اور ان کے جان و مال کے تحفظ کی حکومت ذمہ دار ہوگی۔ یہ فیصلہ جو تمام مکاتب فکر کے علمائے کرام نے

متفقہ طور پر کیا ہے اور ملک میں نافذ العمل ہے، ہمارے روایتی فقہی موقف سے ہٹ کر ہے۔ میں اس کی مخالفت نہیں کر رہا، بلکہ اس کے حق میں ہوں اور اس کو قانونی اور دستوری درجہ دلوانے کے لیے عملی جدوجہد کرنے والوں میں شامل ہوں، لیکن سوال یہ ہے کہ اس کی علمی توجیہ کیا ہے اور ایسا کرنا شرعی طور پر کیا حیثیت رکھتا ہے؟ ہمارے خیال میں اس پر علمی مباحثہ ضروری ہے اور نہ صرف علما و طلبہ بلکہ جدید تعلیم یافتہ طبقات کے سامنے بھی اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ یہ تبدیلی کیوں آئی ہے اور اس کا شرعی جواز کیا ہے؟۔

اس کے ساتھ ہی اس پر بھی غور فرمائیں کہ پاکستان بننے کے بعد ایک اسلامی ریاست کی تشکیل کے لیے ہم نے روایتی فقہی موقف سے ہٹ کر ووٹ کی بنیاد پر حکومت کی تشکیل کو بنیاد بنایا ہے اور اب تک ہمارا اجتماعی موقف یہی ہے کہ حکومت ووٹ کی بنیاد پر بنے گی، البتہ قرآن و سنت کے احکام کی پابند ہوگی۔ یہ فیصلہ کرنے والوں میں ہمارے اکابر شامل تھے اور تمام مکاتب فکر کے اکابر بزرگوں نے یہ فیصلہ کیا تھا، مگر اس کی علمی توجیہ ہمارے علمائے کرام اور دینی کارکنوں کے سامنے نہیں ہے، جس کی وجہ سے ابھی تک کنفیوژن موجود ہے اور جمہوریت کو مطلقاً کفر قرار دینے والوں میں نہ صرف سوات کے مولانا صوفی محمد پیش پیش ہیں بلکہ دینی کارکنوں کی اکثریت بھی یہی ذہن رکھتی ہے، اور یہ سوال لوگوں کے ذہنوں میں مسلسل پریشانی کا باعث بن رہا ہے کہ اگر جمہوریت مطلقاً کفر ہے تو شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، حضرت مولانا سید یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد حسن سمیت ان اکابر کی کیا حیثیت ہے جنہوں نے ایک اسلامی ریاست کے قیام کے لیے ووٹ کو بنیاد قرار دیا تھا اور ۱۹۷۳ء کا دستور تشکیل دینے والے تمام مکاتب فکر کے ان سرکردہ علمائے کرام کی کیا پوزیشن ہے جنہوں نے ووٹ کی بنیاد پر حکومت کے قیام کو تسلیم کیا ہے؟

ہمیں اپنے بزرگ مفتیان کرام کے ارشادات سے اتفاق ہے کہ عام مسلمان کو دین کے دائرہ کا پابند رکھنے اور بے راہ روی سے بچانے کے لیے تحفظات کا برقرار رکھنا ضروری

ہے اور ہم افتاء کے دائرے میں ان کے اس موقف اور اسلوب کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن حاجات عامہ، دستور و قانون کی تدوین اور اجتماعی معاشرتی مسائل کے حل کے لیے جس توسع کی ضرورت ہے اور اس کی شرعاً گنجائش بھی ہے، اس کے بارے میں انہیں اس قدر سختی روا نہیں رکھنی چاہیے بلکہ بحث و مباحثہ کی حد تک کھلے ماحول کو برداشت کرنا چاہیے اور اس کو فتویٰ کی ترجیحات پر پرکھنے کے بجائے اجتماعی ملی ضروریات کے دائرے میں سمجھنا چاہیے۔ ہم نے اس وجہ سے ”الشریعہ“ کو کھلے بحث و مباحثہ کے لیے وقف کر رکھا ہے اور متعدد بار اس کا اعلان بھی کیا ہے، جیسا کہ اکتوبر ۲۰۰۷ء کے شمارے میں یہ اعلان ان الفاظ میں شائع ہوا تھا کہ

”جدید افکار و نظریات اور آراء و تعبیرات کے حوالے سے اسلامی تعلیمات و احکام کے ضمن میں پیدا ہونے والے سوالات، شکوک و شبہات اور علمی و فکری اعتراضات کے بارے میں ہمارے دینی حلقوں کا عمومی رویہ نظر انداز کرنے اور مسترد کر دینے کا ہے جس سے ”الشریعہ“ کو اختلاف ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ دینی حلقوں کے ارباب فکر و دانش اس طرف توجہ دیں، مباحثہ میں شریک ہوں، اپنا نقطہ نظر دلائل کے ساتھ پیش کریں، جس موقف سے وہ اختلاف کر رہے ہیں، اس کی کمزوری کو علمی انداز سے واضح کریں اور قوت استدلال کے ساتھ اپنے موقف کی برتری واضح کریں، کیونکہ اب وہ دور نہیں رہا کہ کسی مسئلہ پر آپ اپنی رائے پیش کر کے اس کے حق میں چند دلائل کا تذکرہ کرنے کے بعد مطمئن ہو جائیں کہ رائے عامہ کے سامنے آپ کا موقف واضح ہو گیا ہے اور آپ کی بات کو قبول کر لیا جائے گا۔ آج کا دور تقابلی مطالعہ کا دور ہے، تجزیہ و استدلال کا دور ہے اور معروضی حقائق کی تفصیلات و جزئیات تک رسائی کا دور ہے۔ آپ کو یہ سارے پہلو سامنے رکھ کر اپنی بات کہنا ہوگی اور آپ کی بات اس میں سے کسی بھی حوالے سے کمزور ہوگی تو وہ پذیرائی حاصل نہیں کر سکے گی۔

اس مقصد کے تحت الشریعہ کے صفحات پر ”مباحثہ و مکالمہ“ کا یہ آزادانہ فورم قائم کیا گیا ہے جس کے تحت شائع ہونے والی تحریروں سے ”الشریعہ“ کا اتفاق ضروری نہیں ہے اور اس میں

کسی بھی علمی موضوع پر لکھی جانے والی کوئی بھی تحریر شائع کی جاسکتی ہے، جو علمی اسلوب اور افہام و تفہیم کے لہجے میں مناظرانہ انداز اور طعن و تشنیع کے اسلوب سے ہٹ کر لکھی گئی ہو۔ اس ضمن میں روایتی مناظرانہ مسائل کے بجائے اسلام اور امت مسلمہ کو درپیش مسائل و مشکلات کے حوالے سے جدید عنوانات پر لکھی گئی تحریروں کو ترجیح دی جائے گی۔“

بار بار شائع کیے جانے والے اس واضح اعلان کے بعد کسی دوست کو ”الشریعہ“ کی پالیسی اور اس کے مقاصد کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے تھی اور اگر اب بھی کسی کے ذہن میں غلط فہمی موجود ہے تو اسے دور ہو جانا چاہیے۔ (ماہنامہ الشریعہ، مئی، جون ۲۰۰۹ء)

رائے، اجتہاد اور فتویٰ میں دائرہ کار کی تقسیم

مولانا راشدی تحریر فرماتے ہیں کہ ”بدقسمتی سے ہمارے ہاں رائے، اجتہاد اور فتویٰ کے دائروں کو خلط ملط کر دیا گیا ہے اور ہم ان سب کے بارے میں یکساں لہجے میں بات کرنے کے عادی ہو گئے ہیں، حالانکہ ان تینوں کے الگ الگ دائرے اور الگ الگ حکام ہیں۔ ضروری نہیں کہ ہر رائے کو اجتہاد تصور کیا جائے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر اجتہادی قول کو مفتی بہ قرار دے دیا جائے۔ کوئی مجتہد اپنے کسی غور طلب مسئلہ کے کسی ایک پہلو کے بارے میں کسی متعلقہ شخص سے رائے لیتا ہے جو صاحب علم نہیں ہے اور اس کی رائے کو اجتہاد کی بنیاد بھی بنالیتا ہے۔ اب اس شخص کی رائے اجتہاد کا درجہ نہیں رکھتی، مگر اجتہادی عمل کا حصہ بن گئی ہے۔ اسی طرح ہمارے فقہاء کرام کے مفتی بہ اقوال اور غیر مفتی بہ کا واضح فرق موجود ہے، لیکن ان میں سے کسی کے اجتہاد ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے ان تینوں میں فرق قائم رکھنا ضروری ہے اور اس بنیاد پر ان تینوں کے معیارات بھی الگ الگ ہی ہوں گے۔

ہم نے ”عمومی مباحثہ“ میں ہر شخص کے لیے رائے کے حق کی بات ضرور کی ہے، لیکن جہاں علمی مباحثہ کی بات ہوئی ہے، وہاں ہم نے ان نوجوان اہل علم کا حوالہ دیا ہے جو اصحاب علم ہیں اور مطالعہ کی وسعت رکھتے ہیں۔ ہم نے ان کے لیے نہ اجتہاد کا حق مانگا ہے اور نہ ہی انھیں فتویٰ کی اتھارٹی دینے کی بات کی ہے۔ صرف اتنی درخواست کی ہے کہ اگر وہ نوجوان

اہل علم جو علمی استعداد رکھتے ہیں اور دینی لٹریچر کے ساتھ ساتھ آج کے حالات و ضروریات پر بھی نظر رکھتے ہیں، انھیں رائے کے حق سے محروم نہ کیجیے۔ جو وہ محسوس کرتے ہیں، اس کے اظہار کا انہیں حق دیجیے اور پھر انھیں فتوؤں اور طعن و تشنیع کا نشانہ بنانے کی بجائے دلیل کے ساتھ اور محبت کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کیجیے کہ دین کے ساتھ ساتھ اخلاقیات اور معروضی حالات کا بھی یہی تقاضا ہے۔“

آزادانہ مباحثہ اور فرقہ حنفی

مفکر اسلام حضرت مولانا علامہ زاہد الراشدی صاحب فرماتے ہیں۔

”کوئی واقعہ پیش آئے بغیر محض مسئلہ کی کوئی صورت فرض کر کے اس پر حکم لگانا، جسے ”فقہ فرضی“ کہا جاتا ہے، صحابہ کرامؓ اور تابعین کبارؓ کے دور میں پسندیدہ بات نہیں سمجھی جاتی تھی، حتیٰ کہ ایک بار حضرت امام ابوحنیفہؒ نے حضرت قتادہؓ سے کوئی مسئلہ پوچھا تو انہوں نے دریافت کیا کہ کیا ایسی کوئی صورت پیش آئی ہے؟ جواب میں امام ابوحنیفہؒ نے کہا کہ ایسی صورت پیش تو نہیں آئی، تو حضرت قتادہؓ نے فرمایا

”مجھ سے ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو ابھی واقع ہی نہیں ہوئیں۔“

(بحوالہ امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص ۲۳۵، از مولانا مناظر احسن گیلانی)

جبکہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اس ”فقہ فرضی“ کے لیے باقاعدہ علمی مجلس قائم کر کے محض مفروضہ صورتوں پر ۸۰ ہزار سے زائد احکام و مسائل مرتب کیے جو آج تک فقہ حنفی کی علمی اساس ہیں۔

اسی طرح صحابہ کرامؓ اور کبار تابعینؓ کے دور میں عقائد کے باب میں عقلی بحثوں کو ناپسند کیا جاتا تھا اور اسے عقائد خراب کرنے اور عقائد میں شکوک پیدا کرنے کی کوشش تصور کیا جاتا تھا، حتیٰ کہ میں نے کسی جگہ حضرت امام ابو یوسفؒ کا یہ فتویٰ پڑھا ہے جس کا حوالہ اس وقت میرے ذہن میں نہیں ہے کہ عقائد میں عقلی بحثیں کرنے والے منکلم کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے، لیکن بعد میں وقت کی ضروریات نے یہ ماحول پیدا کر دیا کہ عقائد کی بحثیں ہی

معقولات کے حوالے سے ہونے لگیں، اس کو باقاعدہ علم کلام کا نام دیا گیا ہے اور اسی عنوان سے ہمارے ہاں مستقل پڑھایا جاتا ہے۔

ہم ”تحفظات“ اور ”ضروریات“ کے دونوں دائروں کو ضروری سمجھتے ہیں۔ ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ دونوں کا متوازن اظہار ہوتے رہنے سے ہی اعتدال کا راستہ ملے گا، اس لیے ہم علمی مباحثہ کو ضروری خیال کرتے ہیں اور اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ ہمارے ذہن میں علمی مباحثہ کا تصور وہی ہے جس کے تحت حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے انفرادی اجتہاد کی بجائے اجتماعی اور مشاورتی اجتہاد کا راستہ اختیار کیا تھا اور اس کے لیے کھلے مباحثہ کو ضروری خیال کیا تھا۔ اس کا خاکہ مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ:

”اجتماعی مساعی اسی وقت بار آور ہوتی ہے جب ضبط و نظم کے تحت ان کو انجام دیا جائے۔ امامؒ پر جہاں یہ راز واضح ہو چکا تھا، اسی کے ساتھ وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ مجلس کے تمام اراکین کو جب تکر کامل آزادی اپنے خیالات کے اظہار میں نہیں دی جائے گی، اجتماع کا جو مقصد ہے وہ پورا نہیں ہو سکتا۔ آزادی کے اس دائرے کو امامؒ نے کتنی وسعت دے رکھی تھی؟ اس کا اندازہ اسی واقعے سے ہو سکتا ہے جس کو امامؒ کے مختلف سوانح نگاروں نے نقل کیا ہے۔ الجرجانی کہتے ہیں کہ امامؒ کی مجلس میں حاضر تھا کہ ایک نوجوان جو اسی حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا، امامؒ سے اس نے کوئی سوال کیا جس کا امامؒ نے جواب دیا، لیکن جوان کو میں نے دیکھا کہ جواب سننے کے ساتھ ہی بے تحاشہ اور امامؒ کو مخاطب کر کے ’اخطات‘ (آپ نے غلطی کی ہے) کہہ رہا ہے۔ جرجانی کہتے ہیں کہ جوان کے اس طرز گفتگو کو دیکھ کر میں تو حیران ہو گیا اور حلقہ والوں کی طرف خطاب کر کے میں نے کہا کہ

”بڑے تعجب کی بات ہے کہ استاذ (شیخ) کے احترام کا تم لوگ بالکل لحاظ نہیں کرتے۔“

جرجانی ابھی اپنی نصیحت کو پوری بھی نہیں کر پائے تھے کہ وہ سن رہے تھے کہ خود امام

ابوحنیفہؒ فرما رہے ہیں کہ

دعہم فانی قد عودتہم ذلک من نفسی ”تم ان لوگوں کو چھوڑ دو، میں نے خود ہی اس طرز کلام کا ان کو عادی بنایا ہے۔“ جس سے معلوم ہوا کہ آزادی کا قصداً و ارادۃً اپنی مجلس کے اراکین کو کہیے یا تلامذہ کو، عادی بنا رکھا تھا اور یہ جان کر بنا رکھا تھا کہ جو مقصد ہے، اس آزادی کے بغیر وہ حاصل نہیں ہو سکتا۔“ (امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی، ص ۲۳۸)

علامہ راشدی مزید فرماتے ہیں کہ ”ایک تاریخی واقعہ اس حوالے سے میرے ذہن میں اٹکا ہوا ہے اور شاید میرے اس اسلوب اور طرز عمل کا باعث بھی یہی ہے کہ معتزلہ کا بانی واصل بن عطا، حضرت حسن بصریؒ کے حلقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ معقولات کی دنیا کا آدمی تھا اور عقلی نوعیت کے سوالات کرتا رہتا تھا۔ حضرت حسن بصریؒ اپنی تمام تر علمی عظمت اور تقویٰ اور بزرگی کے باوجود اس دینا کے آدمی نہیں تھے، اس لیے اس نے جب حضرت حسن بصریؒ کے حلقہ سے علیحدگی اختیار کی تو انہوں نے اطمینان کا اظہار فرمایا کی؟ اعتزل عنا، وہ ہم سے الگ ہو گیا ہے اور حضرت حسن بصریؒ کے اسی تاریخی جملہ سے واصل بن عطا اور اس کے پیروکاروں کا نام ”معتزلہ“ پڑ گیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر واصل بن عطا کا واسطہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی مجلس سے ہوتا تو اسباب کی دنیا میں شاید نتیجہ یہ نہ نکلتا، اس لیے کہ امام ابو حنیفہؒ کی مجلس میں سوال و جواب ہوتے تھے، بحث و مباحثہ ہوتا تھا، اختلاف رائے ہوتا تھا، دلائل دیے جاتے تھے اور منطق و استدلال کے ساتھ ایک دوسرے کو قائل کرنے کی کوشش کی جاتی تھی حتیٰ کہ اگر کسی شریک محفل کو مجلس کے اجتماعی فیصلہ پر اطمینان نہ ہوتا تو اسے اختلافی نوٹ لکھوانے کا حق بھی ہوتا تھا۔ آج یہ اسلوب ہمارے ہاں مفقود ہو گیا ہے اور خود ہم احناف اس اسلوب سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔“ (ماہنامہ الشریعہ، مئی جون ۲۰۰۹ء)

آزاد فورم اور اکابر علمائے دیوبند

استاذ العلماء حضرت مولانا محمد فیاض خان سواتی صاحب، حضرت مولانا نور محمد تونسوی

قادری صاحب کے نام اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں۔

”اکابر علماء دیوبند نے دو قسم کا کام کیا ہے ایک وہ جو علمی و تحقیقی ہے اور ہمارے لئے

مستقل راہنما ہے اور دوسرا وہ جو وقتی ضروریات کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہوں نے انجام دیا جس میں ہمارے لئے کوئی راہنمائی نہیں ہے بلکہ ہمارے دور کے تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے موجودہ اکابرین ہی اس کا حل فرمائیں گے، چنانچہ اسی وقتی تقاضا کیلئے ہندوستان میں قائم ”مسلم پرسنل لاء بورڈ“ کو بطور نمونہ اور مثال کے پیش کیا جاسکتا ہے جس کے تحت تمام مسالک کے لوگ شامل ہیں اور اس بورڈ کے تحت ان کی وقتی ضروریات ان کی مسلکی اور فقہی رعایت رکھتے ہوئے پوری کی جاتی ہیں حالانکہ اس ادارہ میں شریک وہ علماء اس سے متفق نہیں ہوتے اور شاید آپ کے علم میں ہوگا کہ یہ بورڈ بانی دارالعلوم دیوبند حجت الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پوتے اور دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور مہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ کی مشاورت سے قائم ہوا تھا بلکہ اس کے پہلے چیئرمین بھی وہی تھے ان کے بعد اب تک اس بورڈ کے چیئرمین دیوبندی اور ندوی علماء کرام ہی مسلسل چلے آ رہے ہیں۔

اگر غور فرمایا جائے تو ایسے فورم اور بورڈ قائم کرنے میں اکابر کا نمونہ موجود ہے اور اس میں ہمارے ان اکابر نے ہی فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ ایجاد پیش کی ہے، اسے آپ ایک دوسرے زاویہ سے بھی جانچ سکتے ہیں جس میں پاک و ہند کے تمام ادارے عملاً شریک ہیں مثلاً تعارف و تبصرہ کتب کا عنوان ہر ماہنامہ اور رسالہ میں موجود ہوتا ہے اور اس میں تمام مسالک کی کتابوں پر تعارف اور تبصرہ کیا جاتا ہے لیکن ادارہ کے لوگ ان کے مصنفین کے مسلک اور اس کتاب میں موجود ہر ہر جزو سے متفق نہیں ہوتے بلکہ بعض تو نمایاں طور پر لکھ بھی دیتے ہیں کہ ”ادارہ کا اس سے اتفاق ضروری نہیں ہے“ اور حیرت یہ ہے کہ یہ سب کو ہی قابل قبول ہے، اس مسئلہ کو آپ ایک تیسرے زاویہ سے بھی پرکھ سکتے ہیں جو آپ کے مخصوص موضوع سے بھی متعلق ہے کہ مہتمموں کو اکابر علماء دیوبند کا قائم کردہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا بورڈ ڈھڑا ڈھڑا ہر سندیں جاری کر رہا ہے لیکن اس کے عملہ کے تقریباً سبھی اراکین اپنی اپنی جگہ یہ فتویٰ صادر فرماتے ہیں کہ ”حیاۃ النبی ﷺ

کے منکرین اہل السنۃ اور دیوبندیت سے خارج ہیں بلکہ بدعتی بھی ہیں، کیا آپ کے خیال میں ایسے بورڈ پر آزادانہ بورڈ کا فتویٰ نہیں لگتا؟ اس مسئلہ کو آپ ایک چوتھے زاویہ سے بھی معلوم کر سکتے ہیں جس میں ہمارے تمام ہی اکابرین قدیماً و حدیثاً شریک رہے ہیں آزادی کی تحریک میں مخصوص پوائنٹ پر کفار کے ساتھ اتحاد، ختم نبوت کی تحریک میں تمام مسالک کے ساتھ مخصوص اتحاد اور سیاسی میدان میں ان تمام مسالک کے ساتھ مخصوص اتحاد، کیا ان فراخ دلیوں پر اکابر میں سے کسی پر فتویٰ لگایا گیا ہے؟

☆ ہمارے شیخین کریمین نے تو ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں کل جماعتی مجلس تحفظ ختم نبوت کے پلیٹ فارم سے گرفتاری دی تھی اور کئی ماہ جیل میں رہے تھے جو مشترکہ فورم تھا اور اس کے سربراہ بریلوی مکتبہ فکر کے مولانا ابوالحسنات قادری مرحوم تھے۔

☆ امام اہل السنۃ نے ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ کے دوران پاکستان قومی اتحاد کے پلیٹ فارم سے نہ صرف گرفتاری دی تھی اور ایک ماہ جیل میں رہے تھے بلکہ ایک جلوس کی قیادت کرتے ہوئے جب ایف، ایس، ایف کے کمانڈر نے ریڈ لائن عبور کرنے پر گولی مار دینے کی دھمکی دی تھی تو کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے امام اہل السنۃ یہ کہہ کر ریڈ لائن کراس کر گئے تھے کہ ”مسنون عمر پوری کر چکا ہوں اور شہادت کی تمنا رکھتا ہوں۔“

یہ پلیٹ فارم بھی مشترکہ فورم تھا جس کے سربراہ مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود تھے اور ان کے ساتھ مرکزی قیادت میں مولانا شاہ احمد نورانی مرحوم، علامہ احسان الہی ظہیر مرحوم، میاں طفیل محمد مرحوم اور آغا مرتضیٰ پویا بھی شامل تھے۔

☆ اسی تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ میں مفسر قرآن نے گرفتاری کیلئے اپنے گلے میں قرآن کریم لٹکا کر گوجرانوالہ کے سب سے بڑے جلوس کی قیادت کی تھی لیکن ان کو گرفتار نہیں کیا گیا تھا۔ (امام اہل سنت تحریک پاکستان سے قبل مجلس احرار اسلام کے باقاعدہ کارکن رہے ہیں جس کی قیادت میں صاحبزادہ فیض الحسن، مولانا مظہر علی اظہر اور مولانا داؤد غزنوی شریک تھے ان کی اس دور کی احراری کلباڑی آج بھی ان کے چھوٹے فرزند مولانا راشد صاحب

کے پاس موجود ہے۔

امام اہل سنتؒ نے آخری عمر میں بستر علالت پر ہونے کے باوجود متحدہ مجلس عمل کا ساتھ دیا جس کے قائدین میں مولانا شاہ احمد نورانی، قاضی حسین احمد، مولانا ساجد میر اور علامہ ساجد نقوی شامل تھے حتیٰ کہ انہوں نے لگھڑ کے حلقہ سے قومی اسمبلی کے امیدوار جناب بلال قدرت بٹ کی اعلانیہ حمایت کی جو جماعت اسلامی کے ضلعی امیر تھے۔

☆ پاکستان کیلئے ۲۲ دستوری نکات مرتب کرنے والا فورم بھی تمام مکاتب فکر کا مشترکہ فورم تھا جس کی صدارت حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ نے کی تھی، اور اس میں تمام مسالک دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث، شیعہ، مودودی وغیرہ بھی شامل تھے۔

☆ ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں گوجرانوالہ میں سب سے بڑا جلسہ مدرسہ نصرۃ العلوم کی جامع مسجد نور میں محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ بانی و مہتمم الجامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کی صدارت میں ہوا تھا جس میں تمام مکاتب فکر کے علماء شریک تھے حتیٰ کہ سید محبوب علی سٹنسی اور ع، غ کراروی جن کا تعلق شیعہ مکتبہ فکر سے تھا انہوں نے بھی خطاب کیا۔

قومی اتحاد، اسلامی جمہوری اتحاد، ملی یکجہتی کونسل، متحدہ مجلس عمل، اتحاد تنظیمات مدارس اسلامیہ وغیرہ ایسے مشترکہ پلیٹ فارم ہیں جن میں علماء دیوبند اب تک شامل چلے آ رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ایسے فورم یا بورڈ کی تشکیل کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ یہ اکابرین ہی کے طرز و روش کا تسلسل ہے۔“ (ماہنامہ نصرت العلوم، جنوری ۲۰۱۰ء)

”میلہ خدا شناسی“ ایک آزاد فورم تھا جس میں مختلف مذاہب کے راہ نمائے اپنے اپنے مذہب کے حق میں اور دوسرے مذاہب کی تردید میں تقریریں کرتے تھے، یہ عوامی اجتماع ہوتا تھا جو کئی روز تک جاری رہتا تھا، اس میں ہمارے اکابر بھی شریک ہوتے تھے، دوسروں کی تقریریں سنتے تھے اور خود تقریریں کرتے تھے، اسی ”میلہ خدا شناسی“ میں قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا معرکہ الآراء خطاب ہمارے کئی اداروں کی

طرف سے بار بار شائع ہو چکا ہے۔

دوسرے مذاہب کے مذہبی راہ نمائوں کے ساتھ مناظرے خود ہمارے اکابر کیا کرتے تھے، دونوں طرف سے دلائل دیے جاتے تھے اور سنے جاتے تھے ایسے بیسیوں مناظروں کی تفصیلات کتابی شکل میں شائع ہو کر ہماری لائبریریوں میں موجود ہیں اور عام لوگوں تک پہنچائی گئی ہیں، یہ مناظرے عوامی اجتماعات میں آمنے سامنے ہوتے تھے اور ان پر مشتمل کتابوں میں بھی دونوں طرف کا موقف موجود ہے۔

علاوہ ازیں حکومتی سطح پر قانون سازی کے لیے ”اسلامی نظریاتی کونسل“ کے عنوان سے جو ادارہ کام کر رہا ہے اس میں بھی اکابر علمائے دیوبند نے خاصہ کردار ادا کیا ہے اور کر رہے ہیں۔ اس ادارے میں تمام مکاتب فکر کے علماء اور ماہرین قانون مل جل کر کام کرتے ہیں اور یہ ادارہ کسی ایک فقہ کا پابند بھی نہیں ہے۔

”الشریعہ“ اور اس کی پالیسی اکابر کی نظر میں

الشریعہ اکیڈمی گوجرانوالہ کا سنگ بنیاد امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ نے اپنے دست مبارک سے رکھا اور اس کے بعد متعدد مواقع پر اس کے پروگراموں میں شرکت فرما کر سرپرستی فرماتے رہے ہیں اور ماہنامہ الشریعہ کا مطالعہ بھی ان کا معمول تھا اور ان کی کئی تحریرات بھی الشریعہ میں شائع ہوئی ہیں جبکہ مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبد الحمید خان سواتیؒ بانی جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے بارے میں مولانا محمد فیاض خان سواتی نے ہمیں بتایا کہ والد ماجد کا معمول پروگراموں میں جانے کا نہیں تھا لیکن الشریعہ اکیڈمی کے پروگرام میں انہوں نے بھی شرکت فرما کر اس کی سرپرستی فرمائی، وہ ماہنامہ الشریعہ کا بڑی باقاعدگی سے مطالعہ فرماتے تھے اگر کبھی رسالہ پہنچنے میں تاخیر ہو جاتی تو اس کے بارے میں مجھ سے استفسار فرماتے بلکہ اس کا سالانہ چندہ خریداری بھی باقاعدگی سے جمع کراتے تھے، حضرت صوفی صاحبؒ کی بھی متعدد تحریرات اس میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ ذیل میں ہم الشریعہ اور اس کی پالیسی کے متعلق چند اہل علم کے اقتباسات نقل کر رہے ہیں، ملاحظہ

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب، صدر دارالعلوم کراچی فرماتے ہیں کہ ”ابھی مولانا (زاہد الراشدی) فرما رہے تھے کہ الشریعہ اکادمی میں ہم جو کام کر رہے ہیں، وہ روایتی انداز سے ہٹ کر ہے۔ اس لیے لوگوں کو اس کے بارے میں بتلانا اور سمجھانا بھی بعض اوقات ذرا مشکل سا ہوتا ہے۔ لیکن سچی بات ہے، میں جو محسوس کرتا ہوں کہ مسلمانوں کی جو تعلیمی پالیسی عہد رسالت سے چلی آ رہی ہے، یہ اسی کا ایک تسلسل ہے جو الشریعہ اکادمی نے شروع کیا ہوا ہے۔“ (ماہنامہ الشریعہ، مئی جون ۲۰۰۹ء)

معروف محقق حضرت مولانا متیق الرحمن سنبھلی صاحب (ابن مناظر اسلام حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ و سرپرست ماہنامہ ”الفرقان“، لکھنؤ) فرماتے ہیں کہ ”آپ نے ایک نئی طرح ڈالی ہے، باعث دلچسپی ہے، خدا کرے رفتہ رفتہ یہ تجربہ ایسے نہج میں ڈھل جائے کہ سوچ کی مثبت اور مفید تبدیلی کو راہ ملے، آپ کو ماشاء اللہ رفقائے قلم اچھے میسر آ گئے ہیں، شاید نئی نہج کی برکت ہے۔“ (ماہنامہ الشریعہ ستمبر ۲۰۱۲ء)

مفسر قرآن حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہیدؒ فرماتے ہیں ”ہمارے مذہبی حلقے میں غالباً آپ (مولانا زاہد الراشدی) پہلے فرد ہیں جنہیں علمی و فکری مسائل پر بحث و مکالمہ کا ایک آزاد فورم قائم کرنے کی توفیق ہوئی ہے۔ بے شمار احباب کے تحفظات بلکہ اعتراضات کے باوجود ناچیز محسوس کرتا ہے کہ اس قسم کے فورم کی بہر حال ضرورت تھی۔ مخالفانہ نقطہ نظر کو یکسر در کر دینا اور اپنے مبلغ علم ہی کو قطعیت کا درجہ دینا ان اہل نظر کو زیب نہیں دیتا جو فکر و ولی اللہی کے وارث ہیں۔ دلیل کا جواب دلیل ہی سے دینا چاہیے، لٹھ ماری سے نہیں۔ آپ کو لکھنے والے بھی خوب میسر آئے ہیں۔“ (ماہنامہ الشریعہ، مارچ ۲۰۰۷ء)

عظیم مذہبی سکالر حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ صاحب (سابق صدر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد) فرماتے ہیں کہ ”میں روز اول سے اس رسالے کا باقاعدہ قاری ہوں، آپ کی تحریروں اور مضامین میں جو اعتدال اور توازن ہوتا ہے وہ گزشتہ

کچھ عرصے سے کم ہوتا چلا جا رہا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی تحریریں ملک میں ایک متوازن اور معتدل مذہبی رویے کی تشکیل میں اہم کردار ادا کریں گی۔“ (ماہنامہ الشریعہ ستمبر ۲۰۱۲ء)

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد زاہد صاحب، نائب رئیس جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد فرماتے ہیں کہ ”ماہنامہ ”الشریعہ“ نے دینی جرائد میں ایک مستحسن روایت قائم کی ہے کہ وہ ہر نقطہ نظر اس کے دلائل کے ساتھ اپنے قارئین کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ اللہ کرے ہمارے بعض حلقوں میں غیر منصوص مسائل میں بھی دوسرے کا نقطہ نظر نہ سننے بلکہ جلدی سے اس کی نیت پر حملہ آور ہونے کا جو رجحان پایا جاتا ہے، اس کا ”الشریعہ“ کے اس طرز عمل سے کچھ علاج ہو جائے۔“ (ماہنامہ الشریعہ، اگست ۲۰۰۴ء) مزید فرماتے ہیں کہ ”ماہنامہ الشریعہ ہر مہینے وصول ہو کر ہوا کا ایک تازہ جھونکا مہیا کرتا رہتا ہے..... الشریعہ جیسے جریدے میں اپنے نقطہ نظر کی اشاعت میں ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اسے تنقید اور بحث کی چھلنی سے گزرنے کا موقع مل جائے گا اور اس سے مختلف کوئی رائے ہوگی تو وہ بھی سامنے آجائے گی۔ دیگر دینی جرائد میں یہ بات تقریباً ناپید ہے۔“ (ماہنامہ الشریعہ ستمبر ۲۰۱۲ء)

معروف کالم کار حضرت مولانا حذیفہ دستاوی صاحب (آف انڈیا) فرماتے ہیں کہ ”میں تقریباً ڈیڑھ سال سے مجلہ ”الشریعہ“ کا پابندی سے مطالعہ کر رہا ہوں، واقعتاً آپ فارسی کی اس کہات کے مصداق ہیں جس میں کہا گیا ہے ”پسر نمونہ پدر است“.....

ویسے تو میرے پاس ہندو پاک کے علاوہ سعودیہ، کویت وغیرہ سے بھی بے شمار رسائل، اردو، عربی، انگریزی و گجراتی میں موصول ہوتے ہیں مگر ان تمام میں سب سے زیادہ دلچسپ و معلومات افزا بندہ کو ”الشریعہ“ لگا، الشریعہ کا ہر ماہ بڑی شدت سے انتظار ہوتا ہے مگر مجھے بہت دیر سے ملتا ہے، کبھی بے تاب ہو جاتا ہوں تو وقت نکال کر انٹرنیٹ پر بیٹھ جاتا ہوں اور alsharia.org پر جا کر اہم مضامین کا مطالعہ کر لیتا ہوں۔ (ماہنامہ الشریعہ مئی ۲۰۰۷ء)

شیخ الحدیث حضرت مولانا علامہ عبدالقیوم حقانی صاحب، بانی و مہتمم جامعہ ابو ہریرہؓ و مدیر القاسم فرماتے ہیں کہ ”گو جرنالہ سے شائع ہونے والا ماہنامہ ”الشریعہ“ ممتاز علم

دین، محقق و مصنف اور جامعہ نصرت العلوم کے شیخ الحدیث حضرت مولانا علامہ زاہد الراشدی صاحب کی زیر سرپرستی گزشتہ تینیس سال سے شائع ہو رہا ہے۔ ایک عرصہ تک خود علامہ راشدی صاحب اس کی ادارت کے فرائض سرانجام دیتے رہے ہیں اور اب یہ علمی جریدہ ان کے جواں سال صاحبزادے محمد عمار خان ناصر کی زیر ادارت شائع ہو رہا ہے۔ اس علمی جریدے نے روز اول سے عمومی گروہ بندی اور فرقہ بندی سے اٹھ کر فکری حوالے سے ایسی ساکھ بنالی ہے کہ یہ جریدہ ”پڑھے جانے والے جرائد“ میں سرفہرست ہے۔ اس کے مضامین تنوع کے ساتھ ساتھ اجتماعیت کا رنگ نمایاں ہے جو گہرائی اور گیرائی کے ساتھ لکھے جاتے ہیں اور شائع کرنے سے پہلے ان کے مندرجات پر ادارتی ٹیم ان مضامین پر خاصا غور و فکر بھی کرتی ہے۔

”الشریعہ“ کی ادارتی ٹیم کالج و مدرسہ کے اہل علم و قلم پر مشتمل ہے جو علامہ راشدی صاحب کے فکر و دانش کا پتہ دیتی ہے۔ اگرچہ جناب عمار خان ناصر کے بعض تفردات پر علمی حلقوں میں اضطراب پایا جاتا ہے، ”القاسم“ میں بھی ان کے تفردات پر گرفت کی گئی ہے، مگر جہاں تک اس جریدہ کے مضامین کی ندرت کا تعلق ہے، اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس علمی جریدہ نے مختلف حوالوں سے اپنی خصوصی اشاعتوں میں فکری رہنما کا کردار ادا کیا ہے۔“ (ماہنامہ الشریعہ، جولائی ۲۰۱۲ء)

مشہور محقق حضرت مولانا صاحبزادہ نور الحسن راشد کاندھلوی صاحب (مدیر سہ ماہی ”احول و آثار“ کاندھلہ، انڈیا) فرماتے ہیں کہ ”میں الشریعہ کی تحریروں کا خاص توجہ سے مطالعہ کرتا ہوں۔ ایسا فکری جریدہ ہمارے ہاں انڈیا سے شائع نہیں ہوتا۔“ (ماہنامہ الشریعہ ستمبر ۲۰۱۲ء)

حضرت مولانا محمد وارث مظہری صاحب (مدیر ”ترجمان دارالعلوم“ دہلی، انڈیا) فرماتے ہیں کہ ”الشریعہ اتنا بڑا رول ماڈل ہے کہ ڈاکٹر ظفر الاسلام (مدیر ملی گزٹ، دہلی) نے مجھ سے کہا کہ ہمیں ”الشریعہ“ جیسا فکری پرچہ انڈیا سے بھی نکالنا چاہیے۔“ (ماہنامہ الشریعہ ستمبر ۲۰۱۲ء)

معروف صاحب قلم حضرت مولانا محمد ازہر صاحب (مدیر ماہنامہ ”الخیر“ ملتان)

فرماتے ہیں کہ ”الشریعہ کی پاکستان کے علمی حلقوں میں اپنے مخصوص اسلوب اور سنجیدہ تحریروں کے باعث امتیازی پہچان ہے، الشریعہ قدیم علمی مباحث کے بجائے امت کو درپیش مسائل میں رہنمائی کو فوجیت دیتا ہے..... ہماری دانست میں سنجیدہ علمی تحریروں سے دلچسپی رکھنے والے قارئین کیلئے ”الشریعہ“ کا انتخاب بالکل بجا ہے۔“ (ماہنامہ الشریعہ ستمبر ۲۰۱۲ء)

”الشریعہ“ کی پالیسی پر اعتماد کرنے والے اور اس کو سراہنے والے اہل علم و قلم اچھی خاصی تعداد میں موجود ہیں، یہاں صرف چند ایک کے بیان پر ہی اکتفاء کیا جا رہا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی حق سچ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

مولانا زاہد الراشدی صاحب رقمطراز ہیں: ”قرآن کریم نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت قرار دیا ہے، اس سے انحراف کو گمراہی کہا ہے اور یہ تلقین کی ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس بات کا حکم دیں، اس پر عمل کرو اور جس بات سے روکیں، اس سے رک جاؤ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی منشا اور قرآن کریم کے احکام کی تشریح معلوم کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، اس لیے قرآن کریم کے ساتھ سنت نبوی بھی قانون سازی کا بنیادی سرچشمہ ہے.....

..... اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو ایمان اور راہنمائی کا معیار قرار دیا ہے اور باقی سب لوگوں کو صحابہ کرام کی طرح ایمان لانے کی تلقین کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن و سنت کی تعبیر و تشریح میں سنت نبوی کے ساتھ ساتھ صحابہ کرامؓ کا اسوہ اور تعامل بھی رہنمائی کا اہم ذریعہ ہے.....

..... سورة النساء آیت ۱۵ میں یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واضح ہو جانے کے بعد اس کی مخالفت کرنا اور اس کے بعد مسلمانوں کے اجتماعی طرز عمل سے ہٹنا بھی گمراہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اجماع امت کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے اور قرآن و سنت کے بعد امت مسلمہ کے اجتماعی تعامل کا ساتھ دینا بھی لازم ہے، اس لیے قرآن و سنت کے احکام کی تشریح و تعبیر اور اسلامی نظام کے بنیادی خدوخال کے حوالے سے امت کی اکثریت چودہ سو سال سے جو سمجھتی اور جس پر عمل کرتی رہی ہے، وہی اسلام کی حقیقی تعبیر و تشریح ہے اور اس سے ہٹ کر نئی راہ اختیار کرنا سراسر گمراہی ہے۔“ (عصر حاضر میں اجتہاد صفحہ ۱۶)

متفرقات

”نوازشات“ کا حرف آغاز

☆ کتاب ”نوازشات“ کا حرف آغاز جناب محترم مولانا حافظ زاہد حسین رشیدی صاحب زید مجدہم کا تحریر کردہ ہے، جس میں رشیدی صاحب محترم فرماتے ہیں کہ ”ماہنامہ الشریعہ کے رئیس التحریر ہمارے مخدوم بزرگ حضرت علامہ زاہد الراشدی مدظلہ اپنے بعض ناقدین کو ”سیون۔اپ“ کی اس بوتل سے تشبیہ دیتے ہیں جس کا ڈھکن کھول کر اس میں چٹکی بھر نمک ڈال دیا گیا ہو۔ جبکہ اپنے اور ادارہ کے جملہ رفقاء کو بحث و مکالمہ میں حوصلہ، تحمل اور بردباری کا مثالی پیکر متعارف کرواتے ہیں۔“

اس سلسلہ میں پہلی گزارش تو یہ ہے کہ مولانا زاہد الراشدی صاحب نے خاص طور پر اپنے ناقدین کو نشانہ بنا کر ”سیون۔اپ“ کی بوتل سے تعبیر نہیں کیا، یہ اعتراض اٹھانے سے پہلے مولانا کی اصل عبارت ہی ملاحظہ فرمالیتے، فرماتے ہیں کہ ”میری شکایت ان حضرات سے ہے جو اپنے ذہن میں موجود موقف یا اپنے ارد گرد محدود ماحول میں پائے جانے والے کسی موقف کے خلاف کوئی بات سنتے ہیں تو ان کی حالت ایسی ہو جاتی ہے جیسے کسی نے سیون۔اپ کی بوتل کھولتے ہی اس میں نمک کی چٹکی ڈال دی ہو، اس عبارت میں علامہ راشدی نے اپنے ناقدین کو ہدف نہیں بنایا بلکہ اپنے معاشرہ کے عمومی رویہ کی منظر کشی کی ہے۔ اور دوسری گزارش یہ ہے کہ علامہ راشدی نے بحث و مکالمہ میں حوصلہ، تحمل اور بردباری کیلئے امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؒ، ان کے شاگرد و رفقاء اور امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ، مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ، مناظر اسلام حضرت مولانا محمد حیاتؒ اور ان جیسے دوسرے اکابر کے واقعات کو ہی بیان کیا ہے۔ کبھی بھی

جناب پروفیسر غلام رسول عدیم، جناب مولانا پروفیسر حافظ عمار خان ناصر، جناب میاں انعام الرحمن، جناب ڈاکٹر محمد اکرم ورک اور ادارہ کے دیگر رفقاء میں سے کسی کی مثال نہیں پیش کی اور نہ ہی ان میں سے کسی کو بطور ”مثالی پیکر“ کے متعارف کراوایا ہے۔

جناب رشیدی صاحب محترم مزید فرماتے ہیں کہ ”حضرت راشدی صاحب اپنے ناقدین کی تنقید کو ”سیون۔ اپ“ کی بوتل کے ساتھ ساتھ ”غرانے کی مشق“ سے بھی تعبیر کر چکے ہیں“۔ اس سلسلہ میں عرض خدمت ہے کہ یہ اصطلاح بھی مولانا راشدی نے اپنے ناقدین کے لئے استعمال نہیں کی ہے۔ علامہ راشدی کو دو قسم کے لوگوں کا سامنا ہے، جن میں سے ایک قسم ناقدین کی ہے۔ اس بات پر تو زمانہ گواہ ہے کہ مولانا راشدی اپنے ناقدین کا بے حد احترام کرتے ہیں۔ الشریعہ کے صفحات پر ایک نہیں بیسیوں تنقیدی مضامین اور ان پر مولانا راشدی کا شکریہ ادا کرنا اس کی واضح دلیل ہے۔ خود جناب رشیدی صاحب کے تنقیدی مضامین الشریعہ کے صفحات پر پورے احترام کے ساتھ شائع ہو چکے ہیں۔ جبکہ دوسری قسم کے اصحاب کے لئے شاید ”ناقدین“ کا لفظ استعمال نہیں کیا جاسکتا، ان کے لئے کوئی اور لفظ ہی تلاش کرنا پڑے گا۔ ان حضرات کا وطیرہ یہ ہے کہ باطل قوتوں سے ڈانڈے ملانے سے کم یہ بات ہی نہیں کرتے، یہود و نصاریٰ کے ایجنٹ ان کا تقیہ کلام ہے، ہر محفل میں ”الشریعہ“ کو معاذ اللہ ”کفریہ“ اور ”شرارہ“ کہتے پھرتے ہیں اور اپنے زعم میں وہ اسلام کی بڑی خدمت کر رہے ہیں۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی کتاب ”خاندان راشدی اور حدود و اجماع“ ہے، جس میں مولانا راشدی صاحب کو (العیاذ باللہ) مرتد، کافر اور گستاخ رسول لکھا گیا ہے۔ ایسے حضرات کے لئے صرف ایک اصطلاح ”غرانے کی مشق“ کیا استعمال کردی کہ بہتوں کی حالت تو ایسی ہے جیسے جان ہی نکل جا رہی ہے۔ ”غرانے کی مشق“ کے الفاظ محاورتاً استعمال ہوئے ہیں۔ ”محاورے میں الفاظ اپنے لغوی معنوں کے بجائے مجازی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں، مثلاً ’ناک کٹنا‘ ایک محاورہ ہے جس کے لغوی معنی تو ناک کے کٹ جانا ہی ہوں گے لیکن محاورے میں اس کے مجازی معنی لیے جائیں گے یعنی بدنام ہونا“۔ (جہانگیری اردو

لغت، XV) جبکہ غرانا مجازی معنوں میں غصے کی آواز نکالنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔
(جہانگیری اردو لغت، صفحہ ۱۰۱۵)

فاضل محترم جناب رشیدی صاحب زید مجدہم کی خدمت میں مودبانہ گزارش ہے کہ وہ علامہ راشدی کی عبارات کو ان کے اصل تناظر میں ہی پیش کریں، بات کو یوں توڑ پھوڑ کر پیش کرنے کا سلیقہ غالباً ہمارے مخدوم چاریاری صاحب کی صحبت بافیض کا نتیجہ ہے۔
برداشت اور عدم برداشت کا مسئلہ

☆ مفکر اسلام حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب کی بیشتر عبارات کے حوالے سے جو غلط فہمی پیدا کی جا رہی ہے، وہ انہیں ان کے سیاق و سباق سے ہٹ کر سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ مثلاً کتاب ”نوازشات“ میں سب سے زیادہ تنقید کا نشانہ مولانا راشدی صاحب کی اس عبارت کو بنایا گیا ہے کہ ”مسلمان تنقید برداشت کر سکتا ہے، توہین نہیں“۔ بات یہ ہے کہ علامہ راشدی نے یہ الفاظ اس اعتراض کے جواب میں کہے ہیں جو کارٹونسٹ اور دیگر مغربی دانش وروں کی جانب سے اٹھایا گیا تھا۔ اعتراض یہ تھا کہ مسلمان رسالت مآب پر تنقید برداشت نہیں کرتا۔ اس مقام پر عدم برداشت سے یہ مراد ہے کہ مسلمان محض اعتراض یا تنقید کی بنیاد پر قتل و قتال پر اتر آتا ہے۔ ظاہری بات ہے کہ یہ بات مسلمات کے خلاف ہے۔ دنیا میں جتنے بھی غیر مسلم ہیں، جو اسلام کو نہیں مانتے، وہ تو قرآن اور صاحب قرآن پر تنقید بھی کرتے ہیں اعتراض بھی کرتے ہیں، لیکن مسلمانوں نے کبھی کسی کو قتل نہیں کیا، دلیل کا جواب دلیل سے دیا ہے اور دیتے رہیں گے، انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور بالفرض اگر مسلمان تنقید یا اعتراض کی بنیاد پر قتل کرنے لگتے تو نہ کافر باقی رہتا نہ کفر باقی رہتا کیونکہ دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا کافر موجود ہو جو اسلام پر تنقیدی نظر نہ رکھتا ہو۔ مولانا راشدی نے اس مقام پر جو برداشت کی بات کی ہے اس سے مراد بھی یہی ہے کہ مسلمان تنقید یا اعتراض کی وجہ سے قتل و قتال کی راہ پر نہیں چل پڑتا۔ کارٹونسٹ نے مسلمانوں کی ایک غلط تصویر دنیا کے سامنے پیش کی جس کا حقیقت پر مبنی جواب علامہ راشدی کی طرف سے دیا گیا ہے کہ کارٹونسٹ اور دیگر مغربی دانشور دھوکہ دہی

سے کام لے رہے ہیں۔ مسلمانوں نے کبھی اعتراض یا تنقید کی بناء پر قتل کا بازار گرم نہیں کیا بلکہ دلیل کا جواب دلیل سے دیا ہے۔ اس عبارت کو اس کے پس منظر سے ہٹ کر سمجھنے کی کوشش نے شدید غلط فہمیوں کو جنم دیا ہے۔ بعض احباب اس سے یہ مطلب اخذ کر رہے ہیں کہ مولانا راشدی تنقید کرنے کی اجازت دے رہے ہیں یا تنقید کی آڑ میں (معاذ اللہ) توہین کا دروازہ کھول رہے ہیں، تو ایسے حضرات کو یہ غلط فہمی دور کر لینی چاہیے۔

لطیفہ! امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے ”تنقید متین بر تفسیر نعیم الدین“ جو حضرات تنقید اور توہین کو ایک ہی معنی میں لیتے ہیں، ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ اسے یوں تعبیر کر کے دکھائیں کہ یہ ”توہین متین بر تفسیر نعیم الدین“ ہے، دیدہ باید۔

جب بھی ہمارے اکابر علمائے دیوبند زاد اللہ کثر تھم کی مختلف عبارات کے حوالے سے غلط فہمی پیدا ہوئی ہے یا جان بوجھ کر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے تو ہمارے اہل علم حضرات کی جانب سے ایسی عبارات سے برأت کا اظہار کرنے کی بجائے ان کے حقیقی مطالب واضح کئے گئے ہیں۔ امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر قدس اللہ سرہ العزیز کی کتاب ”عبارات اکابر“ خاص ایسی ہی عبارات کی تفہیم پر مشتمل ہے۔ اگر مولانا راشدی کی عبارات سے غلط فہمی پیدا ہو رہی تھی تو بجائے اس کے کہ چاریاری صاحب محترم غلط فہمی دور کرتے، انہوں نے معاملے کو اور بھی الجھا کے رکھ دیا ہے۔

تحفظ مسلک اور علامہ راشدی

☆ مولانا عبدالرحیم چاریاری صاحب محترم، امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ کی تمام کتب کو مسلک دیوبند کی خدمت تصور کرتے ہیں، لیکن اگر ان ہی موضوعات پر مولانا راشدی قلم کشائی کریں تو چاریاری صاحب محترم کے نزدیک وہ کوئی مسلک کی خدمت نہیں ہے۔

○ امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ منکرین حدیث کے رد میں ”صرف ایک

اسلام بجواب دوا اسلام“، ”انکار حدیث کے نتائج“ اور ”شوق حدیث“ جیسی کتب لکھیں تو وہ مسلک دیوبند کی خدمت ہے مگر ان ہی منکرین حدیث کے خلاف علامہ زاہد الراشدی صاحب کے بیسیوں جاندار مضامین محترم چاریاری صاحب کے نزدیک کوئی مسلک کی خدمت نہیں ہے۔

o امام اہل سنت قادیانیت کے رد میں ”ختم نبوت کتاب وسنت کی روشنی میں“ اور ”مرزائی کا جنازہ اور مسلمان“ جیسی کتب لکھیں تو یہ مسلکیت کے دائرہ میں داخل ہیں، مگر ان ہی قادیانیوں کے رد میں مولانا راشدی کے سینکڑوں اہم مضامین چاریاری صاحب کے ہاں مسلکیت کے دائرے سے خارج ہیں۔

o امام اہل سنت شخصیات کے تعارف اور دفاع میں ”مقام ابی حنیفہ“ اور ”بانی دارالعلوم دیوبند“ جیسی کتب لکھتے ہیں تو یہ بھی مسلک کی خدمت ہے، مگر امام اعظم ابوحنیفہؒ، مولانا قاسم نانوتویؒ اور سینکڑوں مسلکی شخصیات کے تعارف اور خدمات کے اعتراف میں لکھے گئے مولانا راشدی کے مضامین چاریاری صاحب کے نزدیک یہ مقام حاصل نہیں کر سکے۔

o چاریاری صاحب محترم کے نزدیک امام اہل سنت نے ”تبلیغ اسلام“، ”عیسائیت کا پس منظر“، ”توضیح المرام فی نزول مسیح علیہ السلام“ اور ”شوق جہاد“ جیسی کتب لکھ کر مسلک دیوبند کی خدمت کی ہے مگر ان ہی موضوعات پر مولانا راشدی نے بلاشبہ ہزاروں صفحات لکھے ہیں تو وہ ان کے نزدیک مسلک کے دائرے میں ہی شامل نہیں ہیں۔

چنانچہ اس سلسلہ میں ایک مقام پر تو محترم چاریاری صاحب نے حد ہی کر دی اور یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ مولانا راشدی نے اختلافی مسائل پر ایک صفحہ تو درکنار چند سطریں بھی نہیں لکھی ہیں، فرماتے ہیں کہ ”امام اہل سنت نے ۵۰ میں سے ۴۸ کتب اختلافی مسائل پر تحریر فرمائی کیا جناب والا مسند جانشینی پر جلوہ افروز ہونے سے قبل یا بعد میں امام اہل سنت کی طرح علماء دیوبند کے عقائد و نظریات اور تحفظ مسلک کیلئے کیا کوئی ایک کتاب، ایک رسالہ، ایک پمفلٹ یا چند سطور ہی تحریر فرما کر سنی علماء اور عوام کے سامنے

پیش فرماتے تو بڑی نوازش ہوتی۔“

ہم محترم چاریاری صاحب سے بصد احترام یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر قدس اللہ سرہ العزیز کی مایہ ناز تصنیف ”احسن الکلام“ کی جو تلخیص ”اطیب الکلام“ کے عنوان سے مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ سے شائع ہو رہی ہے کیا وہ آسمان سے نازل ہو کر کسی فرشتے نے تحریر کی ہے؟۔ مخالفت برائے مخالفت کا جنون انسان کو کس حد تک لیکر جاسکتا ہے اور کیا کچھ تحریر کروا سکتا ہے مندرجہ بالا عبارت سے اس کا اندازہ بخوبی کیا جاسکتا ہے۔

علامہ راشدی کے مسلکی مضامین

یوں تو علامہ راشدی نے مسلک دیوبند کے تحفظ کے لیے اختلافی موضوعات پر بے شمار مضامین لکھے ہیں۔ اگر انہیں یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع کیا جائے تو کئی جلدوں پر مشتمل ضخیم کتاب تیار کی جاسکتی ہے، لیکن بطور نمونہ ہم یہاں صرف چند ایک کے بیان پر ہی اکتفاء کریں گے، ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) فضائل اعمال پر اعتراضات کا علمی جائزہ (روزنامہ اسلام ۲۴ جولائی ۲۰۱۲ء)

(۲) عقیدہ حیات النبیؐ اور شرک (ماہنامہ الشریعہ، اگست ۲۰۰۳ء)

(۳) ”حلالہ“ اور اس کا پس منظر (ماہنامہ نصرت العلوم، فروری ۱۹۹۶ء)

(۴) ایران میں زواج متعہ کا قانونی فروغ (ماہنامہ نصرت العلوم، دسمبر ۲۰۱۱ء)

(۵) خلافت و امامت، اہل سنت اور اہل تشیع کا بنیادی اختلاف (ماہنامہ نصرت العلوم، مئی ۲۰۱۱ء)

(۶) نکاح کے وقت حضرت عائشہ صدیقہؓ کی عمر اور راویان حدیث کا مقام و مرتبہ (ماہنامہ نصرت العلوم، دسمبر ۲۰۱۰ء)

(۷) ہم حنفی کیوں کہلاتے ہیں؟ (ماہنامہ نصرت العلوم، اکتوبر ۲۰۰۹ء)

(۸) فرقہ وارانہ کتابوں کی ضبطی کا معاملہ (ماہنامہ نصرت العلوم، اکتوبر ۲۰۰۶ء)

اس مضمون میں حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی کتاب ”تقویۃ الایمان“ حضرت مولانا رشید احمد

گنگوہیؒ کی ”فتاویٰ رشیدیہ“ اور معروف محقق حضرت مولانا حافظ مہر محمد صاحب میانوالویؒ کی شیعہ ازم کے رد میں لکھی گئی کتابوں پر سرکاری پابندی پر احتجاج کرتے ہوئے پابندی ہٹانے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

(۹) دین کی تکمیل اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ (ماہنامہ نصرت العلوم، مئی ۱۹۹۹ء)

تہران میں منعقدہ ایک اجتماع سے جناب آیت اللہ خامنہ ای صاحب نے خطاب کیا جس میں اسٹیج پر یہ عبارت آویزاں تھی ”الحمد لله الذی جعل کمال دینہ وتمام نعمتہ ولا یمیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام“ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے اپنے دین کی تکمیل اور اپنی نعمت کا اتمام حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ولایت کے ساتھ کیا۔ مذکورہ مضمون اسی عبارت کی تردید پر مشتمل ہے۔

(۱۰) نقوی صاحب! تاریخ کاریکا رڈ درست رہنے دیجیے (ماہنامہ نصرت العلوم، مارچ ۱۹۹۸ء) یہ مضمون تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کے سربراہ جناب ساجد علی نقوی صاحب کے موقف کی تردید پر مشتمل ہے۔ تلك عشرة كاملة۔

مسکلی کتب پر تقاریض

علاوہ ازیں حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب زید مجدہم نے بیسیوں مسکلی کتب پر تقاریض بھی لکھی ہیں، بطور نمونہ چند اہم کتب کے نام حاضر خدمت ہیں۔

(۱) عقائد اہل السنۃ والجماعۃ مدلل از حضرت مولانا مفتی طاہر مسعود صاحب۔

(۲) عقائد اہل السنۃ والجماعۃ حضرت مولانا مفتی زین العابدین کرنا لوی صاحب۔

(۳) تحقیق مسئلہ ایصال ثواب از حضرت مولانا قاری جمیل الرحمن اختر قادری صاحب خلیفہ مجاز امام اہل سنتؒ۔

(۴) عقیدہ حیات النبیؐ کے موضوع پر ”یادگار خطبات“ از مولانا محمد عمر فاروق صدیقی صاحب۔

(۵) ایضاح المرام فی ترک القراۃ خلف الامام از حضرت مولانا ابو حفص اعجاز احمد اشرفی صاحب۔

(۶) راحة العینین فی ترک رفع الیدین از حضرت مولانا ابو حفص اعجاز احمد اشرفی صاحب۔

- (۷) ایمانی دستاویز بجواب تحقیقی دستاویز از حضرت مولانا حافظ مہر محمد میانوالوی صاحب۔
- (۸) خوشبو والا عقیدہ یعنی عقیدہ حیات النبیؐ از حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب۔
- (۹) سیدنا معاویہؓ..... گمراہ کن غلط فہمیوں کا ازالہ از حضرت مولانا محمد ظفر اقبال صاحب۔
- (۱۰) مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور تنظیم فکر ولی اللہی از حضرت مولانا حافظ عبدالحق خان بشیر صاحب۔
- تلك عشرة كاملة۔

اب قارئین کرام خود ہی اندازہ کر لیں کہ چاریاری صاحب محترم کی بات میں کتنی صداقت ہے۔

☆ کتاب ”نوازشات“ کا اخلاقی مقام ایک مستقل مضمون کا متقاضی ہے۔ ”ایک کریلا دوسرا نیم چڑھا“ ”زہد الراشدی صاحب جیسے لوگ ہر سمت سے داد تحسین سمیٹ کر اکابر کی ہڈیاں نیچنے اور اکابر فروشی پر اپنا لوہا منوار ہے ہیں“ ”اس زہد کو کوئی کیا جانے تسبیح بھی ہے زنا رہی ہے“ اور ان جیسی دوسری عبارات اور اشعار چاریاری صاحب محترم اور ان کی کتاب پر تقریظات لکھنے والے بعض حضرات کی ذہنی کیفیت اور تربیت کی عکاسی کرتے ہیں۔ مختصر اُیہ کہ اس کتاب نے اخلاقیات کی بھی دھجیاں اڑا کر رکھ دی ہیں۔

☆ چاریاری صاحب محترم نے اپنی کتاب ”نوازشات“ میں پاکستان شریعت کونسل کو کینسل لکھا ہے۔ جبکہ اسی کونسل کے کلیدی عہدہ پر فائز حضرات محقق العصر حضرت مولانا حافظ مہر محمد میانوالویؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد القیوم حقانی صاحب اور حضرت مولانا حافظ عبدالحق خان بشیر صاحب کے اسماء گرامی اپنی کتاب کے ٹائٹل پر کتاب کی اہمیت بڑھانے کے لیے شائع کیے ہیں جو لطیفہ سے کم نہیں ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا جو چاریاری صاحب محترم یہ بھی بتلا دیتے کہ یہ حضرات ان کی طرف سے مسترد کردہ ”کونسل“ سے ہی وابستہ ہیں۔

☆ چاریاری صاحب محترم کتاب ”نوازشات“ سے قبل ایک کتاب ”غامدیت کیا ہے؟“ کے عنوان سے شائع کر چکے ہیں۔ اس کتاب پر انہوں نے دیگر تقریظات کے ساتھ گوجرانوالہ کے معروف محقق استاذ الاساتذہ حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ خان گورمانی صاحب

دام مجدہم کی تقریظ بھی شائع کی ہے۔ اس تقریظ میں مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ وہ جس رسالہ پر تقریظ لکھ رہے ہیں وہ ”عقائد اہل سنت اور مولانا زاہد الراشدی صاحب نوازشات“ ہے۔ واللہ اعلم چاریاری صاحب کو کیا سوچھی کہ انہوں نے کوئی اور رسالہ دیکھا کر مفتی صاحب سے تقریظ لکھوا کر ”غامدیت کیا ہے؟“ پر اپنی حمایت میں شائع کر دی۔ یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ انہوں نے اپنی موجودہ کتاب ”عقائد اہل سنت اور علامہ زاہد الراشدی صاحب کی نوازشات“ دیکھا کر ”غامدیت کیا ہے؟“ پر تقریظ لکھوائی ہو، کیوں کہ موجودہ کتاب ”نوازشات“ کا بیشتر مواد حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی تقریظ کے بعد کا تحریر کردہ ہے۔ مفتی صاحب کی تقریظ پر تاریخ ۲۶، اکتوبر ۲۰۰۹ء درج ہے جبکہ موجودہ کتاب ”نوازشات“ کے کئی ابواب اس کے بعد ترتیب دیے گئے ہیں۔ اس ساری ہیرا پھیری سے کیا مقصود ہے، کم از کم یہ ہماری سمجھ سے تو بالاتر ہے۔

☆ چاریاری صاحب محترم نے اس کتاب ”نوازشات“ میں پروفیسر ڈاکٹر عبدالماجد حمید المشرقی صاحب کو کتابوں سے مواد چوری کرنے کا طعنہ دیا ہے۔ جبکہ خودی کا یہ عالم ہے کہ اپنی کتاب ”غامدیت کیا ہے؟“ کا بیشتر مواد پروفیسر مولانا رفیق چودھری صاحب کی کتاب ”غامدی مذہب کیا ہے؟“ سے حاصل کیا ہے، جن حضرات نے دونوں کتابوں کا مطالعہ کیا ہے وہ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں۔ لیکن کمال کی بات یہ ہے کہ محترم چاریاری صاحب کو اس میں مواد کی چوری کہیں بھی محسوس نہیں ہوئی۔

مسئلہ طلاق ثلاثہ اور علامہ راشدی

☆ طلاق ثلاثہ سے متعلق علامہ راشدی کا نظریہ وہی ہے جو فقہائے احناف کا ہے، اور اس کی وضاحت وہ یوں کرتے ہیں کہ ”احناف کا موقف ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک مجلس میں تین طلاقیں دی ہیں تو اس نے سنت کی خلاف ورزی کی ہے، بدعت کا ارتکاب کیا ہے جس پر وہ گناہگار ہوگا۔ لیکن اس کی واقع کردہ تینوں طلاقیں موثر ہوں گی اور ان کے احکام مرتب ہوں گے“ (ماہنامہ نصرت العلوم فروری ۱۹۹۶ء)۔ اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ

”میں جمود کا قائل نہیں ہوں، اگر گنجائش نکلتی ہو تو نکال لینی چاہیے“ تو اس کو اسی تناظر میں دیکھا جائے کہ ”امت کے اجماعی تعامل اور اہل السنۃ والجماعۃ کے علمی مسلمات کا دائرہ کراس نہ ہو، کیونکہ اس دائرے سے آگے بہر حال گمراہی کی سلطنت شروع ہو جاتی ہے۔“

شہدائے لال مسجد کی حمایت و مخالفت کا مسئلہ

☆ چاریاری صاحب محترم فرماتے ہیں کہ ”حضرت امام اہل سنتؒ تو دیانت و امانت کے پیکر تھے، لیکن علامہ صاحب کا یہ حال ہے کہ جب لال مسجد و جامعہ حفصہ کا معاملہ عروج پر تھا، کسی نے ان حضرات کی حمایت میں ایک بیان حضرت امام اہل سنتؒ کی طرف منسوب کر کے شائع کر دیا۔ کیونکہ صاحبزادہ صاحب کی رائے ان حضرات کے خلاف تھی، اس لیے فوراً آگ بگولا ہو گئے اور جھٹ ”اسلام“ اخبار میں تردیدی مضمون دے مارا۔“ چاریاری صاحب محترم نے یہ تو بتا دیا کہ مولانا راشدی نے امام اہل سنتؒ سے منسوب موقف کی تردید کر دی۔ یہ بھی بتلا دیتے کہ انہوں نے امام اہل سنتؒ کی طرف جو موقف منسوب کیا تھا وہ ہے کیا؟ وہ اصحاب لال مسجد کے موقف کی حمایت میں تھا یا طریقہ کار کی حمایت میں تھا؟ آپ یہ سوچ بھی کیسے سکتے ہیں کہ امام اہل سنتؒ نے جمہور کے برخلاف شہدائے لال مسجد کے طرق کار کی حمایت کی تھی؟ چاریاری صاحب خدارا، علامہ راشدی کی مخالفت میں کم از کم امام اہل سنتؒ کے موقف کی غلط ترجمانی تو نہ کریں۔

امام اہل سنت حضرت اقدس مولانا محمد سرفراز خان صندر قدس اللہ سرہ العزیز نے مفکر اسلام حضرت مولانا علامہ زاہد الراشدی صاحب دامت برکاتہم العالیہ پر سیاسی حوالے سے بھی اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ ایک موقع پر مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحب قدس اللہ سرہ العزیز سے فرمایا کہ ”حضرت مولانا عبدالواحد صاحب اور زاہد الراشدی پہلے سے (جمعیت علماء اسلام کی مرکزی شوروی کے) رکن ہیں تو وہ میری نمائندگی ہی کرتے ہیں“ (ماہنامہ الشریعہ، جولائی۔ اکتوبر ۲۰۰۹ء، صفحہ ۳۷۱)

مولانا راشدی پر تنقید کرنے والے اکثر و بیشتر حضرات کا المیہ یہ ہے کہ انہوں نے

مولانا کی تحریرات بلکہ اکابر علماء دیوبند کی تحریرات اور طرز عمل کو پڑھا ہی نہیں ہے اور سنی سنائی باتوں یا زیادہ سے زیادہ تراشیدہ عبارتوں کے سہارے اپنے ذہن میں قائم کردہ نتائج کو حرف آخر سمجھتے ہوئے مخالفت کا بازار گرم کر لیا ہے اور وہ اسے ہی سنیت، حنفیت اور دیوبندیت قرار دے رہے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے ہمارے پاس سوائے اس دعائے خیر کے اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ فہم سلیم اور ہدایت کاملہ سے نوازے۔

گزشتہ صفحات اور اقسام میں ہم نے نہایت اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے کتاب ”نوازشات“ میں جانشین امام اہل سنت علامہ راشدی سے متعلق اٹھائے گئے جملہ اعتراضات کا اپنی فہم کی حد تک ازالہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک پوری کتاب کا صرف آٹھ اقسام میں جواب دینا بہت مشکل بلکہ تقریباً ناممکن کام ہے، اس لیے بہت سی باتوں میں قارئین کو تشنگی محسوس ہوگی۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ تقریباً تمام اصولی باتوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت ہم سب کو حق سمجھنے اور اسے تسلیم کر لینے کی توفیق عنایت فرمائے۔

اَللّٰهُمَّ ارِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهُ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا

اجتنابہ۔ آمین یا رب العالمین۔

حضرت مولانا علامہ زاہد الراشدی صاحب رقمطراز ہیں: ”راقم الحروف کے نزدیک اسلامی قوانین و احکام کی تعبیر و تشریح کے لیے صحیح، قابل عمل اور متوازن راستہ یہ ہے کہ ۵: امت مسلمہ کے اجماعی تعامل اور اہل السنۃ والجماعۃ کے علمی مسلمات کے دائرہ کی، بہر حال پابندی کی جائے۔ ۵: امت مسلمہ کی غالب اکثریت کی فقہی وابستگیوں کا احترام کرتے ہوئے ہر ملک میں وہاں کی اکثریت کے فقہی رجحانات کو قانون سازی کی بنیاد بنایا جائے، البتہ قانون سازی کو صرف اسی دائرے میں محدود رکھنے کے بجائے“ دوسری فقہوں سے استفادہ یا بوقت ضرورت قرآن و سنت سے براہ راست استنباط کا دروازہ بھی کھلا رکھا جائے۔ مثلاً انڈونیشیا میں شوافع کی اکثریت ہے تو اس اکثریت کا یہ حق تسلیم کیا جائے کہ ان کے ملک میں قانون سازی کی بنیاد فقہ شافعی پر ہو، کیونکہ یہ ایک اصولی اور معقول بات ہونے کے علاوہ وہاں کی اکثریتی آبادی کا جمہوری حق بھی ہے۔“ (حدود و تعزیرات صفحہ ۹)

مولانا زاہد الراشدی معاشرت کی زد میں

از قلم: حضرت مولانا علامہ عبدالرؤف فاروقی صاحب

میں مولانا زاہد الراشدی کا وکیل صفائی نہیں ہوں بلکہ عادتاً میں کسی زندہ انسان کی تو کیا خود اپنی صفائی بھی پیش نہیں کیا کرتا، لیکن سواستیاناں ہو معاشرت اور اس کی چشمک کا کہ لوگ ان کے معائب کی تلاش میں ان کی خوبیوں اور احسانات کو بھی بھول گئے، عبدالحمد عدم نے کہا تھا،

عدم احتیاط لازم ہے لوگ منکر نکیر ہوتے ہیں

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے ایک موقع پر فرمایا،

لوگ جب کسی سے محبت کرتے ہیں تو زمانے بھر کی تمام خوبیاں اس کی جھولی میں ڈال دیتے ہیں لیکن اس کے مخالف ہوتے ہیں تو خود اس کی اپنی خوبیاں بھی اس سے چھین لیتے ہیں۔

میں نے دیکھا کہ جب چاروں طرف سے ان پر تیر برسائے جا رہے ہیں اور وہ بھی

اس طرح کہ

تیر کھا کے جو دیکھا کمین گاہ کی طرف

تو اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی

ان پر الزامات کی طویل فہرست تیار کی گئی ہے اور باقاعدہ فرد جرم بھی عائد کر دی گئی،

اب سزا سنانا باقی ہے اور وہ کسی ایک ”مفتی“ کی طرف سے ”فتویٰ“ کی صورت میں ہوگی اور

لگتا ہے کہ اس کی تصویب و تائید میں مفتیان کرام کی ایک لائن لگ جائے گی کہ ہم نے چھ چھ

ماہ اور ایک ایک سال کے تخصص کی صورت میں مفتیان کرام کی ایک بڑی کھیپ تیار کر رکھی

ہے، جنہیں فتویٰ لکھنا بے شک نہ آئے، کسی فتویٰ کی تائید میں تائید کے اصطلاحی الفاظ لکھنے

کی مہارت تو بہر حال حاصل ہے، جب مولانا راشدی پر نوازشات کی بارش اس طرح ہو چکی

ہو کہ ان کی فرد جرم پر عالم برزخ سے حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت تھانویؒ اور حضرت نفیس الحسینیؒ جب کہ عالم دنیا سے مولانا سلیم اللہ خان اور مولانا تقی عثمانی تک کے اکابر کی تائید حاصل کر لی گئی ہو یا ان اکابر کے اسماء گرامی کا وزن اپنی رطب و یابس، بے وزن، بے ربط نوازش کے پلڑے میں ڈالنے اور کتاب فروشی کے لئے ان ناموں کو استعمال کرنے کی سلفی کوشش میں ان اکابر کی توہین کا ارتکاب بھی کر لیا گیا ہو اور جس طرح کسی کے قول ”تیلی رے تیلی تیرے سر پر کو لو“

میں وزن نہ ہونے کا کہا جائے تو وہ کہے کہ وزن درست ہو نہ ہو، تیلی پر بوجھ تو پڑے گا۔ بسیار نویسی اور کتاب فروشی کے فن پر تحسین بھی وصول کی جا چکی ہو اور کاروبار بھی کر لیا گیا ہو، تو میں نے سوچا مولانا زاہد الراشدی کے کچھ محاسن کا تذکرہ بھی کیا جائے اور قطع نظر اس کے کہ ان کی نسبی نسبت، علم و عمل کے کس آفتاب و مہتاب سے ہے اور ان کے بیٹے کن راہوں کے مسافر ہیں اور قطع نظر اس کے بھی کہ وہ علوم نبوت کی کس درس گاہ میں کس درجہ کے مسند نشین اور مدرس ہیں۔

پھر یہ بھی ہے کہ اگر ان پر نوازشات کا دائرہ صرف ان کے صاحبزادے کی نسبت سے ہی محدود رہتا تو شاید مجھے کچھ لکھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی لیکن اب تو ہمہ جہت تنقید کا بازار گرم کر دیا گیا اور شعلہ باری ہے، انہیں مودودیت نواز، ممانیت نواز، قادیانیت نواز، بریلویت نواز، غامدیت نواز اور نہ جانے کیا کیا نواز قرار دیا گیا ہے، کاش کہ ان کی مدارس نوازی، دیوبندیت نوازی، علم نوازی، دینی تنظیمات نوازی، مذہبی تحریکات نوازی، طلباء نوازی، احباب نوازی، طالبان افغانستان نوازی، جہاد و مجاہدین نوازی کے آئینے میں ان کا جائزہ لیا جاتا اور ان کی اس سلسلہ میں خدمات کا بھی اعتراف کیا جاتا۔

اللہ جانتا ہے کہ جب سے میں نے مولانا زاہد الراشدی کو قریب سے دیکھا ہے ان کے اندر سب کے لئے خیر اور اس سلسلہ میں انہیں فیاضی اور ایثار و قربانی کا پیکر پایا ہے۔

☆ وہ شاہ ولی اللہ کی فکر اور مولانا عبید اللہ سندھی کے فلسفہ کے ترجمان ہیں۔

☆ دیوبند اور دیوبندیت کے مناد، دیوبندی تحریکات، دیوبندی تعبیرات و تشریحات کے داعی اور اکابر علماء دیوبند کی عظمت و عفت کے وکیل صفائی ہیں۔

☆ انہوں نے دینی مدارس کے سالانہ اجتماعات میں دینی فکر اور مدارس کے نظام و نصاب اور طریق تربیت کی جس انداز سے ترجمانی کی اور علماء و طلباء کے ساتھ ساتھ عوام الناس کی جس طرح ذہنی و فکری تربیت کی، اس کی شہادت ملک کے چپے چپے پر چھوٹے بڑے ہزاروں مدارس کے در و دیوار سے لی جاسکتی ہے۔

☆ عام مسلمان کی فکر پر الحاد اور بے دینی کی یلغار نے جب ان گنت ذہنوں پر سکتہ طاری کر رکھا تھا، مولانا راشدی کی آواز گونجتی رہی اور ملحدین دم بخور ہو کر رہ گئے۔

☆ ملک میں نفاذ شریعت کی جدوجہد میں جمعیۃ علماء اسلام میں رہتے ہوئے بھی اور اس سے الگ ہو کر بھی پاکستان شریعت کونسل کے پلیٹ فارم سے بھی بلاشبہ ہزاروں صفحات پر مشتمل قراردادیں، مطالبات اور مضامین ان کے قلم سے اور ان کی صلاحیت سے لکھے گئے اور اگر کوئی حقیقت کا اعتراف کرنے والا ہو تو یہ ایک بہت بڑا دینی سرمایہ ہے جس سے آئندہ بھی فائدہ اٹھایا جاتا رہے گا۔

☆ تحریک آزادی ہند اور پھر تحریک پاکستان میں علماء دیوبند کے موقف کے حق میں دینی مدارس کے طلباء کی ذہن سازی کے لئے ہزاروں تقریروں کا اگر مجموعہ تیار ہو تو نقاد ذہن کے ہوش و حواس اڑ جائیں اور انہیں اپنے لفظوں اور جذبوں پر شرمندگی ہو۔

☆ مولانا راشدی، نام نہاد بین الاقوامی برادری کے مقابلہ میں ہمیشہ اسلام کے نمائندے بن کر کھڑے نظر آتے ہیں اور جہاں اتحاد امت کے داعی کی حیثیت سے اہل سنت و جماعت کے تمام مکاتیب فکر کے درمیان رواداری کے علمبردار ہیں وہاں ان تمام مکاتیب فکر کے سامنے وہ علماء دیوبند کے نمائندہ کی حیثیت سے بیٹھتے رہے اور کسی معاملے میں بھی کبھی وہ دیوبندی ہونے میں مداہنت کا شکار نہیں ہوئے۔

☆ انہوں نے ملک میں دینی تنظیمات اور مدارس کے اجلاسوں میں شرکت کے لئے

لاکھوں میل کے ہزاروں سفر کئے ہیں اور اس سلسلہ میں ایک درویش صفت، ایثار و قربانی اور تحمل و برداشت کے پیکر کا کردار ادا کیا، نہ سفر کی سہولت کا مطالبہ، نہ کھانے اور آرام کے لئے شرائط اور نہ وقت مانگنے والوں کے لئے غلط بیانی اور انکار کی عادت، کیا ہر کسی نے انہیں آزمایا نہیں یا سب نے ان کی ان سب مہربانیوں اور قربانیوں سے آنکھیں بند کر کے ان پر پتھر برسائے والوں میں شامل ہونے کو جہاد سمجھ لیا ہے، میں ہمیشہ ان کی تبلیغ کے سلسلہ میں جفا کشی پر حیران ہوتا ہوں کہ رات اور دن، کار، بس، ویگن اور چنگ چکی، شہروں، قصبوں، دیہات اور ڈیروں اور اس طرح کے تمام پہلوؤں سے بے نیاز، ہمہ وقت، ہمہ تن اور ہمہ جہت، جد و جہد، اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی اور مشن کے ساتھ لگن نہیں تو کیا ہے؟

افغان جہاد میں شرکت، طالبان کی حمایت اور جہادی تنظیموں کی سرپرستی، وہ کونسا محاذ ہے جس پر وہ قلم بردار سرگرم عمل نظر نہیں آئے، اور گزشتہ تیس برسوں میں جمعیت علماء اسلام، وفاق المدارس العربیہ، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، مجلس احرار اسلام، جامعۃ الرشید اور بڑی چھوٹی تنظیموں کی وہ کون سی جد و جہد ہے جسے ترتیب دینے میں ان کی مشاورت شامل نہ ہو، پھر بھی ان کے خلاف محاذ گرم کیا گیا تو میں اسے محسن کشی کا نام تو دے سکتا ہوں، سازش اور منصوبہ بندی قرار نہیں دے سکتا کہ اس کے لئے میرے پاس کوئی ثبوت نہیں۔

البتہ ایسا ہوتا آیا ہے کہ جس شخصیت کی اثر پذیری، بے ٹوک توقف اور اذہان و افکار کی آبیاری عام ہو اسے کوئی نہ کوئی شیطانی قوت، متنازعہ بنانے کے لئے منصوبہ بندی کرتی آئی ہے، ہندوستان میں مولانا محمد قاسم نانوتوی، شاہ اسماعیل شہید، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور دیگر علماء دیوبند کے خلاف احمد رضا خان کا فتویٰ اسی طرح کی ایک سازش تھی کہ جن لوگوں نے ہندوستانی مسلمانوں کو استعمار اور اس کے گماشتوں کی الحادی چالوں سے محفوظ رکھنے کی محنت کی انہیں متنازع بنا دیا گیا، اس طرح کے واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے، کچھ منصوبہ ساز ہوتے ہیں، کچھ منصوبہ ساز قوت کے وظیفہ خوار اور بہت سے مخلص، نادان دوست!

مصلح اور مبلغ کو ذہنی افکار کی ٹکلی پر باندھ دیا جاتا، لفظوں کی سنگ باری کے لئے طبل بجایا جاتا ہے اور ہر کس و ناکس ثواب آخرت کی خواہش پر الفاظ کے پتھروں سے جھولی بھر کے گزرتا ہے اور ٹکلی پر بندھے عظیم انسان کو اس کے ناکردہ گناہوں کی سزا کے طور پر نشانہ لگاتے ہوئے جھولی خالی کر کے آگے بڑھ جاتا ہے اور نہیں سوچتا کہ کس شخصیت، کس فکر، کس دانش، کس علم، کس عظمت، کس شرافت، کس دیانت، کس خیر خواہی اور کس جد و جہد کو زخم لگانے اور اس کا خون بہانے میں شریک ہو کر آ رہا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ مولانا زاہد الراشدی کے ساتھ ایسا ہی کچھ ہو رہا ہے، میں ان پر لفظوں کے تیر چلانے والوں کو چند لمحوں کے لئے سوچنے کی دعوت پر اپنی تحریر ختم کرتا ہوں کہ آپ کے پاس اس طرح کے بے لوث، بے طلب اور انتھک افراد کتنے ہیں کہ مولانا کو اپنے مسلکی جسم سے کاٹ کر الگ کر دینے کے بعد ان کے ذریعہ وہ خلا پر کرسکو گے جو مولانا راشدی کے سیاسی اور تحریر کی قتل کے بعد پیدا ہوگا؟

اور درخواست کروں گا کہ انصاف اور اخلاقیات کی بھی ایک دنیا ہے اور شخصی احترام کا بھی ایک دائرہ ہوتا ہے، خدا را اس کا لحاظ رکھا جائے، اس سے دین اور مسلک کا ضرور فائدہ ہوگا۔

جانشین امام اہل سنت حضرت مولانا علامہ زاہد الراشدی صاحب فرماتے ہیں: ”علماء دیوبند نے امت کے اجماعی تعامل سے ہٹ کر کوئی الگ عقائد امت کے سامنے پیش نہیں کئے کہ انہیں ان کے جداگانہ تشخص سے معنوں کرنے کی ضرورت ہو۔ بلکہ علماء دیوبند سے نسبت رکھنے والے سب علماء کرام انہی عقائد پر کاربند ہیں جو امت مسلمہ بالخصوص اہل السنۃ والجماعۃ کے اجماعی تعامل کے ساتھ ابتداء اسلام سے منقول ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد میں علماء دیوبند نے کسی بھی حوالہ سے کوئی کمی بیشی نہیں کی۔ البتہ جس طرح ہر دور میں اس زمانے کے معروضی تقاضوں اور درپیش مسائل کے حوالہ سے علماء اہل سنت نے ان عقائد کی تعبیرات و تشریحات میں نیا انداز اور اسلوب اختیار کیا ہے اور انہیں اپنے دور کی زبان اور استدلال کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے علماء دیوبند نے بھی اپنے زمانے میں یہی فریضہ سرانجام دیا ہے اور عقائد اہل سنت کی تعبیر و تشریح میں زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ شامل ہو جانے والے حسو و زوائد کو چھانٹ کے انہیں اصلی شکل میں پھر دنیا کے سامنے رکھ دیا ہے جو بلاشبہ گزشتہ صدی کے دوران جنوبی ایشیاء میں علماء دیوبند کا اجتماعی تجدیدی کارنامہ ہے۔“ (عقائد اہل السنۃ والجماعۃ صفحہ ۱۰)

علامہ راشدی، زعمائے امت کی نظر میں

شیخ الاسلام کی نظر میں

فقہیہ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہ رقمطراز ہیں

”اللہ تعالیٰ نے انہیں (شیخ اکل حضرت مولانا سرفراز صاحب صفدر قدس سرہ کو) اپنی اولاد کے بارے میں بھی قابل رشک بنایا، ان کے صاحبزادے ماشاء اللہ ان کی میراث علم کے وارث ہیں۔

خاص طور پر مولانا زاہد الراشدی صاحب (حفظہ اللہ تعالیٰ) کو اللہ تعالیٰ نے علم و فضل کے ساتھ خدمت دین کے جذبہ بے تاب، متانت فکر اور سنجیدہ و باوقار طرز عمل کی خصوصیات عطا فرمائی ہیں، مغربی تہذیب کی فکری بنیادوں پر ان کی گہری نظر ہے اور اس پر ان کے جاندار تبصرے نئی نسل کیلئے مشعل راہ ہیں۔“ (ذکر و فکر ماہنامہ البلاغ کراچی جون ۲۰۰۹ء ص ۵، ۶)

مبلغ اسلام کی نظر میں

مبلغ اعظم حضرت مولانا محمد طارق جمیل زید مجدہ فرماتے ہیں۔

(۱) ”مولانا زاہد الراشدی صاحب (اسٹیج سے) اٹھ گئے میں نے ان کے سامنے کہنا تھا..... وسعت صدر ان سارے مولویوں سے کہہ رہا ہوں اپنے بھائی سے سیکھو..... اس شخص کا قلم کس اعتدال کے ساتھ چلتا ہے کس وسعت صدر سے اللہ نے اسے نوازا ہے پوری دنیا میں شاید انگلیوں پہ گنے جانے والوں میں سے ایک آدمی زاہد الراشدی ہے کہ جسے اختلاف کرنے کا سلیقہ ہے ہمارے مولویوں کو اختلاف ہو جائے تو گلے پکڑنے پہ آ جاتے ہیں مارنے پہ آ جاتے ہیں جیسے ہم ہی صحیح ہیں باقی سارے غلط میں ان کے قلم کو سلام کرتا ہوں کہ مخالف سے مخالف آدمی بھی ان کی

تحریر پڑھے گا..... تو کہے گا کہ یہ شخص ناصح امین ہے یہ میری خیر خواہی میں لکھ رہا ہے، میرا دشمن نہیں..... اور ہم ایسے لکھتے ہیں جیسے پکے دشمن سے خطاب کر رہے ہوں..... سیکھو، سیکھو! علماء بھی ہیں، طلباء بھی ہیں..... وسعت صدر سیکھو..... اخلاق سیکھو..... درگزر سیکھو..... رائے کے اختلاف کو برداشت کرنا سیکھو..... عجب اس شخص کا قلم ہے عجب قلم.....“

یہ وہ الفاظ ہیں جو مبلغ اسلام حضرت مولانا علامہ طارق جمیل صاحب دامت برکاتہم نے امام اہل سنت محدث کبیر علامہ محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ کی وفات کے بعد تعزیتی اجتماع سے (ڈی سی گراؤنڈ لکھنؤ منڈی میں) ارشاد فرمائے جنہیں *Youtube* پر ”*Golden words of Maulana Tariq Jameel*“ کے زیر عنوان *video* کی صورت میں سنا اور دیکھا جاسکتا ہے۔

(۲) ”علامہ زاہد الراشدی ایک بہت بڑے شیخ اور بلند پایہ عالم ہیں جن کے کمال علم اور حسن کردار کا ایک زمانہ معترف ہے، جن کی اعتدال پسندی شہرہ آفاق ہے اور جن کے حسن اظہار سے ہر مقام معطر ہے۔ وہ ایک ایسے عالم ہیں جن کی گفتگو حد اعتدال سے متجاوز نہیں ہوتی اور جن کا قلم توازن اور انصاف کی نیام سے باہر نہیں نکلتا۔ حتیٰ کہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کے مخالف بھی اس کا اعتراف کرتے اور تصنیف و تالیف میں ان کی انصاف پسندی کی تعریف کرتے ہیں۔ کسی کی تحسین و تنقیح کا معاملہ ہو یا کسی بات کی تردید اور تنقید کا، آپ کو ان کا قلم افراط و تفریط سے پاک، گلم گلوچ سے دور اور طعن و تشنیع کے اسلوب سے بالکل مبرا دکھائی دے گا اور وہ (ہر معاملے میں) سیدھے راستے اور نہج سلیم پر چلتے ہوئے نظر آئیں گے۔“ (امام اہل السنۃ کے بارے میں مولانا طارق جمیل کے عربی مضمون سے اردو ترجمہ، ماہنامہ الشریعہ خصوصی اشاعت بیاد امام اہل سنت، ص ۸۴۲، جولائی - اکتوبر ۲۰۰۹ء)

(۳) ”مجھے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے بعد مولانا زاہد الراشدی کے طرز تحریر نے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے، اور (وہ) اپنے شاگردوں کو اکثر تلقین کرتے رہتے ہیں کہ وہ تحریر اور اختلاف رائے کا انداز مولانا زاہد الراشدی صاحب سے سیکھیں۔ (ہفت روزہ

وزارت لاہور ص ۲، ۱۰ تا ۲۳ جون ۲۰۰۹ء از قلم مولوی محمد یوسف میواتی)

مفتی اعظم پاکستان کی نظر میں

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی زید مجدہ فرماتے ہیں۔

”حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب ہمارے بہت ہی معزز و محترم بزرگ ہیں، حضرت مولانا سرفراز صدر صاحب دامت برکاتہم سے ہماری زمانہ طالب علمی سے پرانی عقیدت ہے، جب ہم دورہ حدیث کی کتابیں پڑھ رہے تھے اس وقت حضرت کی تحقیقات ہمارے اساتذہ ہمیں سنایا کرتے تھے، مولانا زاہد الراشدی دامت برکاتہم سے بھی ملاقاتیں تو ہوتی رہیں، لیکن سب سے پہلے حضرت کی جن باتوں سے میں متاثر ہوا، انگلینڈ میں برمنگھم میں ختم نبوت کانفرنس تھی، اس میں اس خاص موضوع پر انہوں نے جو بیان فرمایا، میں پہلی مرتبہ متاثر ہوا، اس سے پہلے ملاقاتیں تو بہت ہوئی ہیں لیکن کسی موضوع پر گفتگو کی نوبت یاد نہیں، لیکن اس کے بعد تسلسل سے الحمد للہ ہماری ملاقاتیں بھی رہی ہیں اور اہم مسائل میں مشورے بھی رہے ہیں اور آپ کی تحریریں بھی ہم استفادے کی نیت سے پڑھتے رہے ہیں، ہم دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ ان کے علم و عمل اور عمر میں برکت عطا فرما اور امت کو ان کی مثبت سوچ سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کی توفیق عطا فرما۔

واقعہ یہ ہے کہ مولانا ابوعمار زاہد الراشدی صاحب کی شخصیت برسوں سے میرے لئے متعدد وجوہ سے قابل رشک ہے، ان کی متعدد صفات نے مجھے ہمیشہ متاثر کیا ہے، کسی کے منہ پر تعریف کرنا اچھا نہیں ہوا کرتا، لیکن میں آپ سے خطاب کر رہا ہوں، ان سے نہیں کر رہا، ان کی تواضع میرے لئے ہمیشہ قابل رشک رہی ہے، اللہ نے ان کو جو علم و فضل عطا فرمایا، اس کے ساتھ تواضع اور انکساری ایسی قابل رشک ہے کہ سچی بات یہ ہے کہ میرا مشورہ آپ حضرات کو یہ ہے کہ اس کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے، ہمارے طبقے میں یہ چیز کم ہوتی جا رہی ہے، ہر ملاقات میں ان کی تواضع میرے لئے سبق بھی بنتی ہے اور قابل رشک بھی ہوتی ہے، میری دعا ہے کہ اللہ پاک ان جیسی تواضع مجھے بھی عطا فرمائے۔

پھر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو امت کے بارے میں اور امت کے مسائل کے بارے میں فکر مندی عطا کی ہے یوں تو فکر مندی اور جذبات ہر مسلمان کے ہوتے ہیں لیکن اس کا صحیح تجزیہ کرنا اور صحیح ادراک کرنا اور مثبت انداز میں اس کے حل کو سوچنا اور مثبت انداز میں امت کی راہنمائی کرنا، یہ ہر ایک کا کام نہیں ہوتا اور الحمد للہ، اللہ نے ہمارے مولانا کو یہ سلیقہ عطا فرمایا ہے، تحریر میں بھی اور تقریر میں بھی، آپ کی سوچ میں ہمیشہ ایک مثبت انداز رہا ہے اور اس میں کبھی کسی کی دل آزاری بھی نہیں ہوتی، جو انبیائے کرام کا طریقہ رہا ہے، ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة و جادلہم بالتیٰ ہی احسن، یہی ان کا طریقہ کار رہا ہے، الحمد للہ یہ تمام باتیں بہت ہی امید افزا بھی ہیں اور اس الشریعہ اکادمی کیلئے انشاء اللہ فال نیک بھی ہیں، پھر ایک بات جس پر مجھے ہمیشہ رشک رہتا ہے یہ ہے کہ ماشاء اللہ یہ ان تھک محنت کے عادی ہیں اور خود ہی ایک مرتبہ بتا رہے تھے کہ میں راتوں کی نیند بسوں میں پوری کر لیتا ہوں، کسی جگہ گیا ہوا ہوں، دن بھر مصروفیت رہی، رات کو سفر میں گزرا، صبح آ کر سبق پڑھا دیا، لوگ تعجب کرتے ہیں کہ کس طرح سبق پڑھا دیا، ہوتا یہ ہے کہ میں نیند بس میں اور ریل میں پوری کر لیتا ہوں، اس پر مجھے رشک آتا ہے، اللہ پاک ایسی نیند مجھے بھی عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ ان کے کلام سے، ان کی فکر سے، ان کی تحریر و تقریر سے امت کو وہ فائدہ عطا فرمائے جو ان کے دل میں موجزن ہے۔ (ماہنامہ الشریعہ ممی جون ۲۰۰۹ء ص ۳۶، ۳۷)

داعی قرآن کی نظر میں

داعی قرآن حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رقمطراز ہیں۔

”مخدوم و محترم حضرت علامہ مولانا زاہد الراشدی صاحب زید مجدہم) کا شمار ملک کے ان چند گنے چنے علماء میں ہوتا ہے جنہیں فیاض حقیقی نے بصارت اور بصیرت، علم اور عمل، قلم اور زبان، محبت اور محبوبیت جیسی گونا گوں صفات سے نوازا ہے، ان کا مطالعہ صرف درسی کتابوں تک محدود نہیں بلکہ تاریخ و ادب، جدید و قدیم فلسفہ، معاشرت اور معیشت اور

دوسرے مذاہب کے لٹریچر پر بھی ان کی گہری نظر ہے، ان کا تجزیہ و تبصرہ سنی سنائی روایات اور حکایات پر مشتمل نہیں ہوتا بلکہ اس میں ایک محقق کی نظر اور دانشور کی احتیاط اور گہرائی کا فرما ہوتی ہے، وہی صلاحیتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کے لئے ایسے اسباب فراہم کر دیئے کہ انہیں مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے حضرات سے تبادلہ خیال کے مواقع ملتے رہے بلکہ سکھوں، ہندوؤں یہودیوں اور عیسائیوں سے بھی مکالمہ میں بھی انہوں نے کبھی قباحات نہیں سمجھی، برطانیہ اور امریکہ جیسے دجالی تہذیب میں مستغرق ممالک کے دورے بھی انہوں نے کثرت سے کئے، ان سب اسباب نے ان کے خیالات میں بڑی وسعت پیدا کر دی، مگر اس وسعت کے نتیجے میں نہ تو انہوں نے متفق علیہ مسائل میں اسلاف کے مسلک سے انحراف کیا اور نہ ہی آزاد خیال مذہبی سکالروں کی طرح اجتہاد کا دعویٰ کیا، حضرت مولانا کے خطابات میں قرآن و سنت کی روشنی کے ساتھ ان کے وسیع مطالعہ اور گہرے مشاہدہ کی چاشنی یکجا دکھائی دیتی ہے، مولانا کا حافظہ بھی غضب کا ہے جو بات یا منظر ایک بار ان کے ذہن میں اتر جائے اسے باہر نکلنے کیلئے جگہ مشکل ہی سے ملتی ہے چنانچہ سالہا سال قبل اساتذہ سے سنی ہوئی اور جرائد و رسائل میں پڑی ہوئی باتوں کا وہ پورے اعتماد کے ساتھ حوالہ دیتے ہیں، چونکہ مولانا کی طبیعت میں اپنے والد محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم کی طرح ظرافت بھی خوب پائی جاتی ہے اور سلاست و روانی بھی انہیں وراثت میں ملی ہے اسی لئے نہ ان کی تقریر سننے والا اکتاہٹ کا شکار ہوتا ہے اور نہ تحریر پڑھنے والا۔ (اقتباس از پیش لفظ خطبات راشدی جلد اول ص ۱۲، ۱۱)

مفکر اسلام کی نظر میں

مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ منصوری صاحب زید مجدہ چیئر مین ورلڈ اسلامک

فورم لندن رقمطراز ہیں

”مولانا راشدی صاحب کی مسکنیت، سادگی اور تواضع آپ کی قدردانی اور استفادہ میں ایک حجاب ہے۔ مولانا نے اپنی ہستی کو اس طرح مٹی میں ملا رکھا ہے کہ لوگ قدر نہیں

کر پاتے۔ پورے پاکستان کے علماء میں مولانا راشدی منفرد شخصیت ہیں جو عصری فکر و فلسفہ کے مقابلے میں تنہا کام کر رہے ہیں۔ آپ برصغیر کے واحد عالم دین ہیں جن کے ہر ہفتہ عصری مسائل پر قومی اخبارات میں فکر انگیز کالم اور مضامین چھپتے ہیں۔ آپ کے کام اور جدوجہد کو اگر کسی سے تشبیہ دی جاسکتی ہے تو وہ ہیں مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی۔ عصری تقاضوں پر گہری نظر، مغرب کے فکری چیلنجز کا سامنا، مغربی فکر و فلسفہ کی توڑ کی فکر۔ پاکستان کے تعلیم یافتہ طبقہ اور اخبار بین طبقہ پر جتنے اثرات مولانا راشدی نے ڈالے ہیں، پاکستان کا کوئی عالم نہیں ڈال سکا۔“

”بندہ آج کل دیکھ رہا ہے کہ پاکستان کے بعض علماء کرام جنہیں مولانا زاہد الراشدی صاحب سے کسی طرح کی تکلیف، رشک یا پر خاش ہے، وہ عمار کا نام لے کر یا بہانہ بنا کر مولانا کی شخصیت کو مجروح کر رہے ہیں، انہیں مجروح کرنے کی کوشش کرنے والے شاید اپنا ہی نقصان کریں گے، خود غامدی صاحب کے فکری کجی و زلیغ پر پورے پاکستان کے علمائے کرام کا کام ایک طرف اور مولانا زاہد الراشدی کا ایک طرف، بندہ کو پوری توقع ہے کہ مولانا زاہد الراشدی امام اہل سنت کے صحیح جانشین ثابت ہوں گے۔ (ماہنامہ الشریعہ کا امام اہل السنۃ نمبر ص ۴۵۰)

عظیم مذہبی سکالر کی نظر میں

حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب سابق وفاقی وزیر مذہبی امور و رئیس جامعۃ الاسلامیہ العالمیہ اسلام آباد رقمطراز ہیں.....

”اہل علم کے اسی بابرکت قافلے کے ایک قافلہ سالار حضرت مولانا زاہد الراشدی ہمارے دور میں یہی فرائض سہ گانہ انجام دے رہے ہیں، انہوں نے عرب و عجم اور مشرق و مغرب ہر جگہ اپنی فصیح اللسانی اور رواں قلم کے ذریعے اسلام کا مسلسل دفاع کیا ہے اور کر رہے ہیں، انہوں نے دین اور شریعت کی تعلیمات پر کئے جانے والے اعتراضات کا ہمیشہ مؤثر اور مثبت جواب دیا ہے، باطل پرست طبقات کی طرف سے جب بھی اسلام یا اسلامی تہذیب سے کوئی غلط چیز منسوب کی گئی مولانا کے مؤثر اسلوب اور طاقتور قلم نے اس کی کمزوری کھول

کھول کر عیاں کر دی، دین کے ناداں دوستوں اور جاہل عقیدتمندوں کی کمزورتا و بیلا ت کے نتیجے میں جب بھی کسی کو دین و شریعت پر اعتراض کا موقع ملا مولانا زاہد الراشدی نے جرأت سے کام لے کر اس مؤقف کی کمزوری واضح کی، مجھے امید ہے کہ مولانا زاہد الراشدی کے یہ وقیع خطبات و مقالات دور جدید میں دعوت و تبلیغ کے نئے اسلوب کو جنم دیں گے اور ان کی مدد سے ملک کے نوجوان علماء کرام تبلیغ دین کے ایک نئے اور منفرد ڈھنگ سے آشنا ہوں گے۔“ (اقتباس از پیش لفظ خطبات راشدی ج اول ص ۱۰، ۱۱)

مفکر اسلام حضرت مولانا علامہ زاہد الراشدی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں: ”جن امور کا تعلق شرعی مسائل یا اصطلاحی معنوں میں ”اجتہادی امور“ سے ہے ایسے امور کا فیصلہ بلا شبہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو قرآن و سنت اور دیگر اسلامی علوم کے ماہر اور اجتہادی صفات سے متصف ہوں۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ایک مجتہد کے لئے پانچ علوم پر دسترس کو ضروری قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ

”آج کے دور میں مندرجہ ذیل پانچ علوم حاصل کیے بغیر کوئی مجتہد نہیں ہو سکتا۔ (۱) قرآن پاک کا علم قراءت و تفسیر کے ساتھ۔ (۲) حدیث رسول کا علم اسناد اور صحیح و ضعیف کی معرفت کے ساتھ۔ (۳) مختلف مسائل میں سلف صالحین کے اقوال کا علم تاکہ اجماع سے تجاوز نہ کرے۔ (۴) عربی زبان اور اس سے متعلقہ امور کا علم (۵) مسائل کے استنباط اور مختلف اقوال میں تطبیق کا علم۔“ (ازالہ الخفاء ص ۲۱)

اس لیے اجتہادی مسائل کا حل ”اجتہادی صفات“ سے متصف افراد ہی کے سپرد کیا جاسکتا ہے اور اجتہادی صفات کے متصف افراد کے چناؤ میں مختلف مکاتب فکر یا مسالک کی نمائندگی کا اصول تو تسلیم کیا جاسکتا ہے لیکن عوام کی نمائندگی کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔“

(اسلام، جمہوریت اور پاکستان، صفحہ ۵۷)

پروفیسر ڈاکٹر عبد الماجد حمید المشرقی پی ایچ ڈی لندن
چیز مین تحریک کار خیر و مشرق سائنس کالج گوجرانوالہ

چاریاری کے لیے ضروری وضاحت

ویسے ہر انسان کی بصیرت، شعور اور ادراک کا لیول ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا، وقت کے ساتھ ساتھ، مطالعہ کے بڑھنے سے اور علماء حق کی مجلس کے سبب ہر انسان میں حقیقی مثبت تبدیلی ضروری آتی ہے، کسی انسان میں اگر مثبت تبدیلی آجائے علماء حق کی مجلس میں بیٹھنے کی برکت سے، تو کیا اس انسان کی حوصلہ افزائی کرنا مناسب ہے یا طعن و تشنیع کر کے، جگت بازی کر کے، بے ہودہ مذاق کر کے اسے راہ راست سے ہٹا دینا مناسب ہے، یہ فیصلہ قارئین خود کریں گے۔

انوارِ خاص کے پہلے ایڈیشن میں کچھ غیر مستند باتیں لکھی گئیں جنہیں اگلے ایڈیشن میں فوراً Remove کر دیا گیا، سلام پیش کرتا ہوں علامہ زاہد الراشدی صاحب کی عظمت اور دانشمندانہ حکمتِ عملی کو، کہ انہوں نے پھر بھی میری راہ نمائی کی، پیار کیا، اصلاح بھی کی اور میری کتاب کے اندر پائی جانے والی غلطیوں کے باوجود تعریفی کلمات لکھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آہستہ آہستہ عبد الماجد کی اصلاح ہو جائے گی اگر علامہ زاہد الراشدی صاحب انوارِ خاص کے پہلے ایڈیشن پر ہی میرے خلاف ”چھری تیز“ کر لیتے تو شاید میں اُلے قدم واپس چلا جاتا مگر انہوں نے نہایت بصیرت سے کام لیتے ہوئے میری ابتدائی غلطیوں کو نظر انداز کیا، جہاں تک ”چاریاری“ کا تعلق ہے میں اس کی کسی بات کا جواب دے کر یا اس سے گفت و شنید کا سلسلہ بڑھا کر اس کی اہمیت بڑھانا نہیں چاہتا، ایسا کرنا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے، لگتا ہے یہ چاریاری نہیں بلکہ یہ آدمی ”چھتر یاری“ ہے یہ اپنی اہمیت بڑھانے کے لئے ایسے کر رہا ہے اگر یہ شخص دوسروں پر کچھڑ اچھالنے والی پالیسی اپنانے کی بجائے کوئی اور اصلاحی کام کرے تو اُن کی عزت بھی ہوگی اور شہرت بھی۔

اگر ایسی حرکتوں سے باز نہ آئیں گے تو پھر انہیں کوئی بے وقوف کہے گا، کوئی احمق و جاہل کہے گا، کوئی انہیں گندی مکھی کا نام دے کر فیصل آباد میں کتا بچے چھپوا کر تقسیم کرے گا، ایسے تمام گندے القابات سے صرف چھتر یاری کی توہین نہ ہوگی بلکہ اچھے علماء بھی متاثر ہوں گے۔

(نوٹ) ادارہ اس وضاحت کو ڈاکٹر صاحب کے شکریہ کے ساتھ من و عن شائع کر رہا ہے کیونکہ ان کی طرف سے یہی تقاضا تھا۔

اردو زبان میں نماز کے موضوع پر ایک ضخیم، مستند اور مدلل کتاب

نماز مسنون کلاں

== تالیف ==

مفسر قرآن حضرت مولانا

صوفی عبد الحمید خان سواتی

رحمۃ اللہ علیہ

نماز مسنون کلاں ایک ایسی مفید اور جامع کتاب ہے جس میں نماز کے تمام ضروری مسائل مع قوی دلائل از کتاب و سنت، احادیث صحیحہ، تعامل صحابہ کرام ا تابعین عظام اور آئمہ مجتہدین کے مضبوط اقوال سے مزین ہیں جس میں طہارت، اذان، اوقات نماز، ارکان، فرائض، واجبات، سنن، مستحبات، مکروہات اور مفسدات کا پورا بیان ہے، نماز کی حکمت اور ضروری مباحث کے علاوہ جمعہ وعیدین، نماز جنازہ، تراویح اور نوافل کے جملہ اہم مباحث درج ہیں، اس کے ساتھ اذکار و دعوات اور خطبات جمعہ وعیدین اور نکاح کا ایک بہترین نصاب بھی درج ہے، اہلسنت والجماعت حنفی مسلک کے علماء، اساتذہ، طلباء اور عوام الناس سب کیلئے یہ ایک نعمت غیر مترقبہ ہے، اس کا انداز بیان نہایت سادہ اور عام فہم ہونے کی وجہ سے عام اردو خواں بھی اس سے بھرپور استفادہ کر سکتے ہیں، اس کا بائیسواں ایڈیشن تصحیح کے ساتھ عمدہ کاغذ، بہترین کتابت و طباعت اور معیاری جلد بندی کے ساتھ طبع ہو گیا ہے۔

قیمت: ۲۵۰

صفحات: ۸۴۰

ناشر: ادارہ نشر و اشاعت جامعہ نصرۃ العلوم فاروق گنج گوجرانوالہ

”مقالات سواتی“

از رشحات قلم و بیان

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ
فاضل دیوبند، بانی جامعہ نصرۃ العلوم و جامع مسجد نور گوجرانوالہ

مرتب

مولانا محمد فیاض خان سواتی

مہتمم جامعہ نصرۃ العلوم و خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ

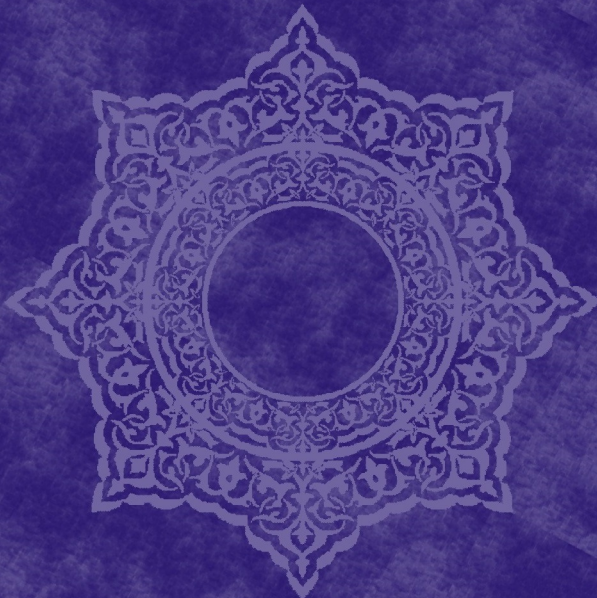
۳۸ مقالات و مضامین ۴۴۰ صفحات پر مشتمل یہ کتاب شائع ہو کر
منظر عام پر آگئی ہے۔

قیمت 260 روپے

ناشر

ادارہ نشر و اشاعت جامعہ نصرۃ العلوم فاروق گنج گوجرانوالہ پاکستان

حضرت مولانا علامہ زاہد الراشدی صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں کہ: ”میں محمد اللہ تعالیٰ راسخ العقیدہ سنی، شعوری خفی اور متصہب دیوبندی ہوں، اور اپنے دائرہ کار کو کراس کئے بغیر ان مسائل پر سنجیدہ کام کرنے والوں سے حتی الوسع تعاون اور ان کی حوصلہ افزائی بھی کرتا رہتا ہوں، اور اسی دائرے میں آخر وقت تک محنت کرتے رہنے کو اپنے لئے سعادت و نجات سمجھتا ہوں۔“ (خطبات راشدی جلد اول ص ۸)



حضرت مولانا علامہ زاہد الراشدی صاحب فرماتے ہیں کہ ”میرے لکھنے پڑھنے کے موضوعات میں اسلامی نظام کی اہمیت و ضرورت، مغربی فلسفہ و ثقافت کی پلغار، اسلام پر مغرب کی طرف سے کئے جانے والے اعتراضات و شبہات، آج کے عالمی تناظر میں اسلامی احکام و قوانین کی تشریح، اسلامائزیشن کے علمی و فکری تقاضے، نفاذ اسلام کے حوالے سے دینی حلقوں کی ضروریات اور ذمہ داریاں، اسلام دشمن لابیوں کی نشاندہی اور تعاقب اور ان حوالوں سے طلبہ، دینی کارکنوں اور با شعور نوجوانوں کی راہنمائی اور تیاری کو اولین ترجیح کا درجہ حاصل ہو گیا، چنانچہ گزشتہ پینتالیس برس سے ان ہی موضوعات پر مسلسل لکھتا چلا آ رہا ہوں۔ (ماہنامہ الشریعہ کا امام اہل السنۃ نمبر ص ۲۵۲)

ادارہ نشر و اشاعت جامعہ فقہ العلوم فاروق گنج گوجرانوالہ پاکستان